جنوری 1983

ماہنامہ

المشیر

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

دینی، اصلاحی، علم سلوک اور تصوف کا واحد مجلہ

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم)

رابطہ کے لئے دارالعرفان منارہ

جلد ۴ / ماہ ربیع الاول ۱۴۰۳ھ مطابق جنوری ۱۹۸۳ء / شمارہ ۳

اس شمارہ میں

- ادارِیہ (ادارہ)
- اسرار التنزیل — مولانا اکرم مناروی
- شہدائے بالاکوٹ کا پیغام — حافظ عبدالرزاق صاحب
- معمارِ حرم — مولانا اکرم صاحب
- چراغِ مصطفوی — حافظ عبدالرزاق ایم اے
- ملفوظات حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
- نعت — ساجد علی علوی
- زندگی ایک بلبلہ — حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رح
- حضرت عمر فاروق رضی کی انفرادیت — مولانا محمد اکرم صاحب
- دارالعرفان کی فضاؤں میں ہفت روزہ تربیتی کورس — پروفیسر باغ حسین کمال
- آداب تصوف و سلوک — حافظ عبدالرزاق صاحب
- حدیث نبوی ﷺ

- سرپرست اعلیٰ:
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ
- مدیر مسئول:
حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات
- مجلس ادارت (اعزازی)
- پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی اے آنرز، ایم اے
- مولانا محمد اکرم ملک مناروی (جہلم)
- پروفیسر باغ حسین کمال، ایم اے

بدلِ اشتراک

زر سالانہ	۳۵ روپے
ششماہی	۱۸ "
فی پرچہ	۳ "

سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین پرنٹر اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال سے شائع کیا

اداریہ:

اصلاحِ معاشرہ کی ضرورت کے احساس کے بعد اصلاح کی تدابیر پر پوری تفصیل کے ساتھ غور کرنا بھی ضروری ہے، یہ کام کسی ایک فرد کے کرنے کا نہیں بلکہ جب تک پورا معاشرہ اس مہم میں سرگرمِ عمل ہوکر باہمی تعاون کو ملحوظ نہ رکھے تو یہ بس ایک خواب بن کر رہ جائے گا جو مشکل سے شرمندہ تعبیر ہوگا۔

معاشرہ میں بنیادی طور پر لوگوں کے دو طبقے ہیں ایک صاحبِ اقتدار اور با اختیار خواص دوسرے عام جہاں تک عوام کا تعلق ہے ان میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک پڑھے لکھے شہری، دوسرے علم سے بے بہرہ دیہاتی، دونوں میں بگاڑ کی صورتیں مختلف ہیں۔ مگر ایک قدرِ مشترک بھی موجود ہے، اور وہ ہے دین سے دوری، البتہ اس دوری کی نوعیت میں فرق ہے، ایک طبقہ بگڑا ہوا ہے، مگر بگاڑ کو عیب بھی سمجھتا ہے، دوسرا طبقہ اس بگاڑ کو خوبی بلکہ عظمت کی دلیل سمجھتا ہے مثلاً فحاشی، آوارگی اور بے حیائی کو ایک طبقہ برائی سمجھتا ہے، اور دوسرا طبقہ اس کو تہذیب اور آرٹ تصوّر کرتا ہے اور اس وبا کو عام کرنے کے لیئے تمام ممکن ذرائع بھی استعمال کرتا ہے۔

قومی پریس میں یہ تجویز بھی منظرِ عام پر آئی ہے کہ علماء کو اصلاحِ معاشرہ میں بھرپور حصہ لینا چاہیئے، تجویز نہایت موزوں اور برمحل ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ علمائے دین کے کام کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ظاہر ہے کہ وہ اصلاح کا کام اللہ ورسول کی تعلیمات سے روشناس کرا کر ہی کر سکتے ہیں۔ اوامر و نواہی کی تفصیل بتائیں، آخرت کی بازپرس کا خوف دلائیں، مسلمانوں کو وہ عہد یاد دلائیں جو انھوں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اپنے رب سے کیا ہے، اس سے اُمید ہو سکتی ہے کہ جن لوگوں کا ضمیر بالکل مُردہ نہیں ہو چکا وہ بیدار ہو جائے اور وہ اپنی روش کو بدلنے پر آمادہ ہو جائیں۔

رہے وہ لوگ جو صرف ایک حادثہ کے طور پر مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہیں، اللہ ورسول سے واقف ہی نہیں، مرکے جی اُٹھنے پر یقین نہیں، آخرت کی جوابدہی کا تصور ہی

نہیں رکھتے وہ علماء کی بات کو بے وقت کی راگنی تصوّر کریں گے بلکہ ممکن ہے اس سے ترقی کر کے وہ روّیہ اختیار کریں جس کا نقشہ اکبرؔ نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے کہ ؎

تاکید عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے
پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

یعنی ان کا ردِ عمل یہی ہو سکتا ہے کہ یہ علمائے اسلام قوم سے مذاق کر رہے ہیں، لیکن علماء کی کوشش سے کوئی ایک بھی سنور جائے تو سودا مہنگا نہیں اس لیئے علماء کو پورے خلوص کے ساتھ، قرآنی تعلیمات نبی کریمؐ کی سیرت کے مختلف پہلو اور صحابہ کرام کے کردار پیش کر کے پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ اس انداز سے نہ سوچیں کہ مثلاً جو شخص رشوت لیتا ہے کیا اسے یہ معلوم نہیں کہ نبیؐ کریمؐ نے اس کے لیۓ جہنم کی آگ کی "بشارت" دے رکھی ہے، ہر رشوت خور یقیناً یہ بات جانتا ہے، مگر اسے نبیؐ کریمؐ پر اعتماد نہ ہو، آپؐ کی بات پر یقین نہ ہو تو کیوں باز آئے اور کیوں نہ ہر ممکن طریقے سے جہنم کا ایندھن جمع کرتا رہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر رشوت خور کا ضمیر مر ہی چکا ہو۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سو رہا ہو اور علما کے جھنجھوڑنے سے وہ جاگ اُٹھے۔

علماء کے علاوہ اصلاح اعمال کا سب سے زیادہ اہتمام کرنے والے صوفیائے کرام اور اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ مگر ان حضرات نے اللہ و رسولؐ کی تعلیمات سے یہ اُصول اخذ کیا ہے کہ جتنے نیک یا بد اعمال انسان کرتا ہے ان کا اصل سرچشمہ وہ مخفی ملکات اور اخلاق ہوتے ہیں جو انسان کی طبیعت ثانیہ بن چکے ہوتے ہیں۔ اس بد اعمالی اور ان جرائم کی روک تھام کے لیئے ان حضرات کی نظر انہی مخفی ملکات پر ہوتی ہے اور وہ انہی کی اصلاح کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کسی کے دل میں حُبِّ مال کا روگ ہے، مال دُنیا کی حرص کا غلبہ ہے وہ اس کے نتیجے میں رشوت بھی لیتا ہے، سود بھی کھاتا ہے اور موقع ملے تو چوری ڈاکہ تک کی بھی نوبت آ جاتی ہے،

صوفیائے کرام ان جرائم کا الگ الگ علاج کرنے کی بجائے وہ نسخہ استعمال کرتے ہیں جس سے ان جرائم کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے وہ ہے اللہ سے دل کا تعلق جوڑنا، دُنیا کی ناپائیداری اور اس کی عیش وعشرت کے زہر آلود ہونے کا استحضار اور اس کے لیئے وہ ذکر الٰہی کی کثرت کراتے ہیں ؎

یکے دوا است بدار الشفائے میکدہ ہائے
اگر زدر دبنالد کسے شراب دہید

یعنی سب بیماریوں کا علاج صرف ایک ہے کہ اللہ سے قلبی تعلق قائم ہو جائے اور اس کا ذریعہ صرف ذکرِ الٰہی ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

لیکن سوال یہ ہے کہ طبیب ماہر ہو نسخہ بے مثل ہو مگر مریض دوا کے استعمال کرنے پر آمادہ نہ ہو تو طبیب کی مہارت اور دوا کا تریاق ہونا کس کام آسکتا ہے۔ اس نسخۂ کیمیا کے استعمال سے ان گنہ گار آنکھوں نے بیسیوں چوروں اور ڈاکوؤں کو دوسروں کے مال و دولت کا محافظ بنتے دیکھا ہے، سینکڑوں آوارہ اور بدقماش لوگوں کو دوسروں کی عزت و ناموس کا نگہبان بنتے دیکھا ہے، متعدد شرابیوں اور جواریوں کو سچی توبہ کرتے دیکھا ہے۔ بلکہ ان کی کایا ایسی پلٹی کہ بے اختیار کہنے لگے ؎

خوش طبیبے است بیا تا ہمہ بیمار شویم

عوام میں ایک اور گروہ بھی پایا جاتا ہے یعنی وہ حضرات جو معاشرے میں کسی پہلو سے قیادت اور رہنمائی کے منصب پر عملاً فائز ہیں۔ اگر یہ حضرات پورے خلوص سے کوشش کریں تو اصلاح کا کام بڑی تیزی سے ہو سکتا ہے جب یہ اپنی جادو بیانی اور طلاقت لسانی سے اپنی لیڈری کو بقا دینے کے لیئے عوام کے جذبات کو اُبھار کر وہ کچھ کرا سکتے ہیں جس کا عام حالات میں تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تو کیا یہ حضرات عوام کے دلوں میں اللہ و رسول سے وفا داری کے جذبے کو اُبھار کر ان کی زندگی نہیں بدل سکتے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ خود بدلیں اور اپنے اقوال و افعال میں تضاد کو رفع کریں تا کہ کسی اکبر کو یہ نہ

کہنا پڑے کہ

بظاہر بود براقِ راہِ عرفان
چو دُم برداشتم لیڈر برآمد

معاشرے کا دوسرا طبقہ با اختیار اور صاحب اقتدار حکام کا ہے، ان کا کام آسان بھی ہے اور زود اثر بھی وہ یوں کہ معاشرے کی بگاڑ کی ہر وہ صورت جو قانون کے دائرے میں داخل ہو جائے اس کے لیے قانون کے استعمال میں ایچ پیچ، سستی یا دیر نہ کریں۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اگر ۱۴-۱۵ گریڈ کا ایک ملازم ایسا ہے کہ اس کی ایک کوٹھی اسلام آباد میں بنی ہے، دوسری گلبرگ میں، تیسری کراچی میں تو قانون کے استعمال میں کیا دقت پیش آ سکتی ہے، اگر اس کی ساری جائداد بحق سرکار ضبط کر لی جائے اور اسے نوکری سے برخاست کر دیا جائے تو معاشرے پر بڑا احسان ہوگا، اگر واقعی پورے ملک میں گنتی کی چند مثالیں قائم کر دی جائیں تو رشوت یوں غائب ہوگی جیسے گدھے کے سر سے سینگ، یہ جو عام معمولی درجے کے ملازموں کی دیگیں چل رہی ہیں کوٹھیاں بن رہی ہیں، جاگیریں پیدا کی جا رہی ہیں، کاریں منگائی جا رہی ہیں، بنک بیلنس بن رہے ہیں۔ کہیں بیوی کے نام سے کہیں "کزن" کے نام سے کہیں کسی اور رشتہ دار کے نام سے ان کا کھوج لگانا کوئی مشکل نہیں، صرف احساس ذمہ داری کی ضرورت ہے اور سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے جو جس کام کا اہل ہو صرف اسے وہی کام سونپا جائے، اس دائرے میں زیادہ تر بگاڑ کے ذمہ دار نااہل لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔

آیئے ہم سب مل کر اپنے رب سے یہ عہد کریں کہ مخلوق کے تحفظ امن اور سکون کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اللہ سے دعا کریں کہ ہمیں اس عہد پر قائم رکھے اور ہماری کوششوں میں اثر پیدا کر دے۔ آمین

مباش درپے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقتِ ما غیر ازیں گناہے نیست

"مدیر"

مسلسل

مولانا محمد اکرم اعوان منارہ

اسرار التنزیل

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا . . . . لَا تُنْصَرُوْنَ (سورہ الزمر آیت ۵۳تا۵۵)

اما بعد: جسم انسانی کا آمیزہ اللہ قدیر کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے اس میں ایسی عجیب خصوصیات رکھی اور اس کو ایسے اوصاف سے متصف فرمایا ہے کہ یہ اللہ ہی کر سکتا تھا کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں تھی مثلاً جیسے اس میں مٹی، پانی آگ اور ہوا کو یکجا کر کے ان چاروں عناصر سے نفس پیدا کیے اور انسانی وجود کے یہ پانچ بنیادی اجزا قرار پائے اسی طرح عالم امر کے پانچ لطائف اس کے وجود میں ودیعت فرمائے گئے یوں حقیقتاً جسم پانچ کی بجائے دس اجزا سے مرکب ہے اور یہ ایک عجیب مرکب ہے کہ مادے کی انتہائی ٹھوس شکل کے ساتھ لطیف ترین حصے جو عالم خلق سے بالاتر عالم امر کی تھی اسے اس میں اس طرح آمیز فرما دیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیئے اس کی ساتھی بن کر اس میں جاگزیں ہو گئی۔ حضرت مجددؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ انسان پانچ نہیں دس چیزوں سے مرکب ہے جس طرح مادے کی بنیاد مٹی، آگ پانی اور ہوا ہیں اسی طرح روحانیت اور تعلق باللہ کی بنیاد بھی انبیاء میں سے پانچ اولوالعزم پیغمبر حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ ہیں، یہ پانچ وہ ہستیاں ہیں جو تعلق باللہ، عالم امر اور روحانیت کی ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ ساری کی ساری مخلوق کا روحانی فیض اور رابطہ ان پانچ ہستیوں ہی سے قائم ہوتا ہے، اور یہ پانچوں آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ کرتی ہیں، جس طرح اجزائے مادی میں آگ، پانی اور ہوا اپنا مدار مٹی پر رکھتی ہیں اور مٹی کسی بھی جگہ ان سے خالی نہیں ہے، ہر جگہ اس میں ہوا، پانی اور آگ موجود ہے، اسی طرح یہ پانچوں ہستیاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اخذ فیض کرتی ہیں اب نوعِ انسانی کو یہ پانچوں لطائف عالمِ امر سے ودیعت کیئے گئے ہیں۔ اور اس میں کوئی قید نہیں کہ مومن ہے، کافر ہے، بچہ ہے بوڑھا ہے جو بھی شخص نسلِ انسانی سے تعلق رکھتا ہے اس میں یہ اوصاف ودیعت فرمائے گئے ہیں اور جب تک وہ اس دنیا میں موجود ہے اس کے وجود میں یہ اوصاف موجود ہیں اگر تو وہ ایمان لے آتا ہے تو پھر ان میں زندگی کی بنیاد پڑتی ہے اور ان کا تعلق نورِ ایمان کے طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے اللہ کریم سے قائم ہو جاتا ہے لیکن کسی بدنصیب کو ایمان ہی نصیب نہیں ہوتا تو ان کا تعلق نہ نبیؑ اور نہ اللہ سے قائم ہو پاتا ہے

لیکن یہ بھی نہیں ہوتا کہ اس سے یہ چیزیں چھین لی جائیں، تاکہ وہ اپنی دنیوی زندگی پوری کرے اور دمِ واپسیں کے ساتھ اس دُنیا سے چل دے، اس وقت تک اگر اس نے ان لطائف کو روشن نہیں کیا تو پھر کبھی نہیں کر سکتا پھر یہ خزانہ اس سے سلب کر لیا جاتا ہے، اب یہ بلا خواہ عقیدے کی ہو یا عمل کی وہ ان چیزوں پر ایک تاریکی تو مسلط کر دیتی ہے، میل کی ایک دبیز تہہ اور زنگ تو چڑھا سکتی ہے لیکن انھیں معدوم نہیں کر سکتی، اور یہی فلسفہ اس آیۂ کریمہ میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ" فرما دیجئے میرے ان بندوں کو جو اپنے آپ پر اپنی جان پر، اپنے وجود اور روح پر زیادتی کر چکے ہیں، اپنے عقیدے یا عمل کی کوتاہی سے اسے آلودہ کر چکے ہیں، خطاؤں سے لبریز کر چکے ہیں ــ لیکن یہ اسراف العمل یا اپنے آپ پر زیادتی یا اپنے آپ کے خطا کار ہونے کا احساس تب پیدا ہوتا ہے جب انسان کو اپنے بندہ ہونے اور اللہ کو اپنا خالق اور مالک ہونے کا احساس ہو جائے، اگر اسی احساس ہی سے عاری ہو تو پھر گناہ و ثواب کا تصور ہی اُٹھ جاتا ہے، پھر گناہ و بدکاری تہذیب نظر آتی ہے، اللہ کی عبادت و اطاعت، قدامت و جہالت دکھائی دیتی ہے، نظر میں فرق پڑ جاتا ہے، زاویۂ نگاہ بدل جاتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھنا بھی توبہ ہے اور یہ پیدا ہی تب ہوتا ہے جب انسان کو اپنا بندہ ہونے کا احساس ہو جائے، اس لئے یہ آیت کریمہ یاعبادی اے میرے بندو! کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے کہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ کے مالک اور اپنا بندہ ہونے کا احساس ہو جائے، جب یہ احساس ہو جاتا ہے تو اپنی پوری زندگی فوراً ایک تصویر کی طرح سامنے سے گذر جاتی ہے کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے مجھے کرنا کیا چاہئے تھا اور کرتا کیا رہا، اب ایک محتاج نیازمند، عاجز اور بےکس مخلوق اس خدا کی نافرمانی کرتی جو اس کا خالق، مالک اور رب ہے اور ہر وقت اس کی تربیت فرما رہا ہے اس سے بچنے کا تو کوئی امکان نہیں رہا ــ اللہ کریم فرماتے ہیں، ایسی بات نہیں ہے لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ــ میری رحمت، عفو و درگذر اور جود و عطا سے کبھی نا امید نہ ہونا ــ اس لئے کہ وہ دولت جو تعلق باللہ کی بنیاد بنتی ہے وہ تیرے وجود میں راسخ کر دی گئی ہے، تیری ذات میں موجود ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر پیدا ہونے والا بچہ اسی اصول، اسی قاعدے اور اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے ثم... اوکما قال رسول اللہ ﷺ

پھر اس کے والدین اور معاشرہ اور ماحول جس میں وہ پلتا بڑھتا ہے، اسے غلط راہ پر ڈال دیتے ہیں، اسے غلط عقائد تعلیم کر دیتے ہیں، غلط اعمال میں پھنسا دیتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے بندہ ہونے کا شعور و احساس نہیں رہتا، حتیٰ کہ وقت گذرتا رہتا ہے اور جب یہ وقت گذر جائے تو فرمایا اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ رب ان کے سارے کے سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے کوئی خطا نہیں جو اس کی عطا سے بڑھ گئی ہو، اور کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس کی بخشش کو عاجز کر دے اور کوئی کوتاہی ایسی نہیں جو اس کی رحمت کو سمیٹ دے، اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وہ ذاتی طور پر بخشنے اور رحم کرنے والا ہے، اس کا وصف ذاتی ہے کمال ذاتی

ہے اور ذاتی اوصاف کبھی جُدا نہیں ہو پاتے، لیکن طریقہ بخشش کا یہ ہے کہ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ اپنے آپ میں اللہ کی طلب پیدا کرو، انابتِ الٰہی پیدا کرو، اللہ کی طرف رجوع کرو، وَاَسْلِمُوْا لَهٗ اللہ کی طرف جُھک جاؤ، اللہ کے سامنے تسلیم خم کرو، اگر کوئی ہزار بار توبہ کرکے توڑ چکا ہے تو بھی اس کا علاج توبہ ہے، کوئی کتنے بھی جرائم کر چکا ہے تو بھی اس کا علاج توبہ ہی ہے، کوئی ظلم و ستم ڈھا چکا ہے اس کا علاج بھی توبہ ہی ہے، مگر طوفان میں چراغ نہیں جلا کرتے اس کا طریقہ یہ ہے اَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، جب اللہ کی طرف متوجہ ہوگے تو یقیناً تمہیں اللہ والوں کی طرف توجہ دینا پڑے گی، ان کے پاس جانا پڑیگا جس چیز کی ضرورت ہو طلب اور جستجو ہو، جہاں منڈی میں جس دکان پر دستیاب ہو وہیں جانا پڑتا ہے، کبھی کوئی مٹھائی خریدنے کے لیئے جوتوں کی دکان پر گیا ہے؟ اور کبھی کوئی جوتا خریدنے والا بزاز کی دکان پر گیا ہے؟ کبھی کوئی مقدمہ لے کر ڈاکٹر کے پاس گیا ہے اور کبھی کوئی علاج کروانے کے لیئے وکیل کے پاس بھی جاتا ہے؟ سو اگر انابتِ الٰہی ہوگی اور انسان اس میں سچا ہوگا تو یقیناً اس طرف اس کے قدم اُٹھیں گے جہاں اس شئے کے طالب مزید لوگ بستے ہوں گے۔ جہاں یہ اس کا تذکرہ ہوگا، جہاں اس کے متعلق معلومات ہوں گی اور جہاں اس کا عمل اظہار ہو رہا ہوگا، بخاری شریف میں ایک حدیث آتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے ننانوے افراد قتل کیئے، تب اسے خیال آیا کہ میں نے اللہ کی ایک کثیر مخلوق قتل کردی، اللہ کے سامنے بھی کبھی پیش ہونا ہے (اسی احساس کو انابت کہتے ہیں)

میں اللہ کی طرف رجوع کروں، توبہ کروں اور اللہ سے بخشش چاہوں، سو کسی عالم کے پاس گیا، اسے ساری بات بتائی، تو اس نے کہا، ظالم! اس قدر برائیاں کرکے اور اللہ کی مخلوق کو موت کے گھاٹ اتارنے کے بعد بھی تو نجات کا طالب ہے؟ کوئی جگہ نہیں تیرے لئے، آدمی مضبوط تھا، اس نے تلوار کا ہاتھ مارا اور کہا سو تو پورے ہو جائیں ایک سو کم پر کیوں مار کھاتا رہوں۔ مولوی کو تو قتل کر بیٹھا مگر وہ جو خلش اور تڑپ دل میں پیدا ہو گئی تھی اسے نہ نکال سکا، پھر کسی اور کے پاس جا پہنچا، انھوں نے فرمایا تیرے گناہ اللہ کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے تُو تو سو کہتا ہے، سو کروڑ بھی ہوں تو اللہ کی رحمت عاجز نہیں ہے۔ تیرے گناہ اس کی رحمت کے سامنے بند نہیں باندھ سکتے۔ تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جا، اللہ کے سامنے توبہ کر اس کے سامنے اپنے گناہ کا اقرار کر اور اس سے بخشش مانگ، وہ ان کے ہاتھ پر بیعت اور تائب ہوا۔ انھوں نے اسے نصیحت کی کہ جہاں سے آیا ہے اب اس طرف لوٹ کر مت جانا، اب تُو ایسی سمت چلا جا جہاں نیک لوگ بستے ہوں، نیک لوگوں میں جا کر بسنا شروع کردے تاکہ تُو اپنی توبہ پر قائم رہ سکے اگر تو واپس بدکاروں کی اسی بستی میں جائے گا تو تیری توبہ ضائع کر دیں گے، ان کا اثر، ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا ان کی باتیں اور ان کا سلوک تجھے توبہ پر قائم نہیں رہنے دیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ جب وہ اس طرف چلا تو زندگی کے دن بھی پورے ہو گئے۔

اب جب موت آتی ہے تو جو لوگ نیک یا اللہ کی رحمت پاتے ہوئے ہوتے ہیں ان کی روح قبض کرنے کا محکمہ بھی دوسرا ہے، ان فرشتوں کا تعلق جنت سے ہوتا ہے، وہ جنت سے خوشبوؤں میں بسا ہوا لباس اور پھول لاتے ہیں اور نہایت عزت و تکریم کے ساتھ اسے لے کر جاتے ہیں، اور کافر کی موت پر روح کو وصول کرنے والے فرشتوں کا تعلق دوزخ سے ہوتا ہے، ملک الموت اس محکمے کے انچارج ہیں، اور یہ بہت وسیع محکمہ ہے لہٰذا جب اس شخص کی موت آئی تو دونوں طرف کے فرشتے آموجود ہوئے، جنت والوں کی دلیل تھی کہ یہ تائب ہو چکا تھا اور دوزخ والے کہتے تھے کہ ہماری یہ پکی آسامی ہے، ہم اسے نہیں چھوڑیں گے دونوں نے اللہ کریم کی بارگاہ میں عرض کی کہ بارِ الٰہا اس کو کون وصول کرے گا، تو حکم ہوا کہ یہ نیک لوگوں کی طرف چل رہا تھا راستہ ناپ لو، اگر بدکاروں کے قریب ہے تو دوزخ میں لے جاؤ اور اگر نیک لوگوں کے قریب ہے تو جنت میں لے جاؤ، ادھر فرشتوں کو پیمائش کرنے کا حکم دیا اور ادھر زمین کو حکم ہوا، اس طرف سے سمٹ کر اس طرف پھیل جا اگر یہ دور بھی ہے تو قریب کردے، کہ نیک لوگوں کی طرف چل تو پڑا ہے ـــ تو انابت وہ خلش ہے جو دل میں کھٹکتی ہے کہ میں جو کچھ کر چکا ہوں وہ نہ کرنا چاہیئے تھا، اور اس کا علاج یہ ہے کہ پھر ان لوگوں کی طرف بڑھے جن کے سینے منور ہوں، جو اپنی اس استعداد اصلی پر قائم ہوں، جو مادی زندگی بسر کرتے ہوئے بھی اپنے سینوں میں عالم امر کے لطائف منور کر چکے ہوں

تو جب یہ ان کی محفل میں پہنچے گا تو اس کے ان لطائف اور کمالات اور اوصاف سے زنگ اتار کر انھیں از سرِ نو زندہ کردیگا، کیونکہ یہ نعمت جب تک اس کا دم ختم نہیں ہوتا تب تک اس کے وجود میں موجود ہے، لیکن ان کو روشن وہی کر سکے گا جس کا اپنا سینہ منور ہوگا، جن کا اپنا دل زنگ آلود ہو چکا ہو وہ دوسروں کے دل روشن نہیں کر پائیں گے سو یہی حکم یہاں دیا جاتا ہے وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا ۔ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور سرِ تسلیم خم کردو، مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ اس سے پیشتر کہ تمہاری کوتاہیوں پر عذابِ الٰہی آجائے اس کے بعد کوئی تمہاری مدد نہیں کر پائے گا، جب کوئی اللہ سے محروم کردیا جاتا ہے تو کائنات میں کوئی ایسا نہیں جو اس کی دستگیری کر سکے، کفر سے توبہ اس وقت تک ہی ہے جب تک اس پر عذاب کی کیفیات آشکارا نہ ہو جائیں اگر عذاب شروع ہو جائے اور عذاب کی کیفیت واضح ہو جائے تو پھر کسی کی جرأت ہی نہیں کہ توبہ کے بغیر رہ سکے، لیکن وہ توبہ قبول نہیں ہوتی اس لیئے کہ یہ توبہ اختیاری نہیں اضطراری اور عذاب کو دیکھ کر بالجبر ہے، یوں تو سب کافر میدانِ حشر میں بھی پکار اٹھیں گے کہ اللہ ایک بار ہمیں دنیا میں واپس بھیج دے دوزخ میں کہیں گے کہ ایک بار ہمیں باہر نکال، پھر دیکھنا ہم کتنی تسبیحات پڑھیں گے، کتنے سجدے کرتے اور کتنی عبادات کرتے ہیں، بھلا عذاب دیکھ کر کسی کی جرأت ہے کہ گناہ پر قائم رہ سکے بات تو تب بنتی ہے جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتبار آجائے

بات اعتبار کی ہے، اللہ پر اعتبار تب آئے گا جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد ہوگا۔ انحصار اعتماد علی الرسول پر ہے، ہم مختلف شعبوں میں مختلف افراد پر اعتماد کرتے ہیں۔ سائنسدانوں پر اعتماد کرتے ہیں اور اتنی ان دیکھی چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو ہماری عقل سے قطعی بعید ہیں، ہمارا ذہن نہیں مانتا کہ انسان جہاز سا بنا کر چاند پر گیا اور وہاں سے مٹی لے آیا، ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی مگر مانتے ہیں اس لیئے کہ سائنسدانوں کے کمال نے ہمیں اس کا قائل کر دیا، اسی طرح ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہم نے مریض کا دل نکالا اور اسے مرمت کر کے پھر وہیں لگا دیا، اور ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ماہر فن ہیں، دنیا میں جس قدر فنون اور کمالات ہیں ان میں ایک فن اور کمال ایسا ہے جس سے یہ سب محروم ہیں اور وہ ہے صداقت، ایک سائنس دان ایک نظریہ پیش کرتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد دوسرا سائنس دان اپنے تجربات کی روشنی میں اسی بات کے متعلق ایک دوسرا نظریہ قائم کرتا اور پہلے کو رد کر دیتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ تمام انبیاء آدمؑ سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک اللہ کی ہستی اور انسان کے اللہ سے تعلق کے متعلق ایک ہی نظریہ پیش کرتے ہیں اور ان میں کبھی کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا، یہی اس کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل ہے، سو انسان کو چاہیئے کہ دم واپسیں سے پہلے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے اس کے حضور سر تسلیم خم کر دے ؏

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

اللہ کریم ہمیں اپنی اطاعت سے بہرہ ور فرمائے رکھے۔ آمین۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: شہدائے بالاکوٹ کا پیغام

باشندے ہیں، یہی پیغام ہے۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ (محمد)

"کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمہاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد برپا کرو اور قطع رحمی سے کام لو۔"

(جب ایمان کی بہار آئی) - ابوالحسن علی ندوی

ابوالحسن علی ندوی

شہدائے بالاکوٹ کا پیغام

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندہ کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اس کی رضا، اس کے نام کی بلندی، اور اس کے دین کی فتح مندی کے لیئے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹا دینے کا عہد کیا تھا۔ جب تک ان کے دم میں دم رہا اسی راہ میں سرگرم رہے، بالآخر اپنے خون شہادت سے اس پیمان وفا پر آخری مہر لگا دی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کا دن گزار کر جو رات آئی وہ پہلی رات تھی جس رات کو وہ سبکدوش و سبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشہ میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا، خونِ شہادت کی ایک مختصر سی سرخ لکیر ابھری تھی اس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشہ میں تھی نہ مورخ کے سیاسی مرقع میں لیکن کسے خبر کہ یہ خون شہادت دفتر قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا، اس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اس سے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے کون سے نئے فیصلے کرائے اس نے کسی مستحکم سلطنت کے لیئے خاتمہ و زوال اور کسی پسماندہ قوم کے لیئے عروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہوا، اور کس سرزمین کی قسمت جاگی، اس سے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یوں تو شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُکْرَمِیْنَ (یٰس) (یعنی کاش میری قوم کو خبر ہو کہ میرے رب نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کر دیا) مگر گوش شنوا اور دیدۂ بینا کے لیئے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے کہ "ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصول کے لیئے جدوجہد کرتے رہے جہاں ہم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں۔ جہاں نفس و شیطان

کے حاکم و سلطان اور رسم و رواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو، ویکون الدین کلہٗ للہ (انفال) جہاں طاعت و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے لیے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو، اور فسق و فجور اور معصیت کے لیے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو جہاں ہم کو صدیاں گذر جانے کے بعد پھر اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ (الحج) (یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک

میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں

اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برُے

کاموں سے روکیں)

کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے، تقدیر الٰہی نے ہمارے لیئے اس سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلہ میں میدانِ جنگ کی شہادت اور اپنے قرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی۔ ہم اپنے رب کے فیصلے پر رضامند اور خورسند ہیں۔ اب اگر اللہ نے تم کو دنیا کے کسی حصے میں کوئی ایسا خطۂ زمین عطا فرمایا۔ جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرہ کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مخل نہ ہو اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو پھر بھی تم اس سے گریز کرو۔ اور ان شرافت و اوصاف کا ثبوت نہ دو جو قرونِ اول کے مسلمانوں کے اقتدار و سلطنت کا طرۂ امتیاز ہیں تو تم ایسے کفرانِ نعمت اور ایسی بدعہدی اور بے وفائی کے مرتکب ہو گئے جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے ہم نے جس زبان کے

چپے چپے کے لیئے جد و جہد کی اور اس کو اپنے خون سے رنگین کیا، تم کو۔ اللہ نے اس زمین میں وسیع رقبہ اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے، اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصول اور فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا تم نے اپنے آپ پر، اپنے متعلقین پر ملک کے شہریوں اور باشندوں پر اللہ کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا، اور تمہارے ملک اور تمہاری سلطنت اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمہارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے تو تم آج دنیا کی ان قوموں کے سامنے جن سے تم نے مسلمانوں کے لیئے الگ خطۂ زمین کا مطالبہ کیا تھا اور کل اللہ کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرہ ذرہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟ اللہ نے تم کو ایسا نادر اور زریں موقع عطا فرمایا ہے جس کے انتظار میں چرخِ کہن نے سینکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخ اسلام نے ہزاروں صفحے اُلٹے، جس کی حسرت و آرزو میں اللہ کے لاکھوں پاک نفوس اور عالی ہمت بندے دُنیا سے چلے گئے، اس موقع کو اگر تم نے ضائع کر دیا تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہو گا۔

بالاکوٹ کے ان شہیدوں کا جو ایک دور افتادہ بستی کے ایک گوشہ میں آسودۂ خاک ہیں ان سب لوگوں کے لیئے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی ملک کے

(باقی صفحہ پر)

(اکرم ملک مناروی)

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ حرم خیز

ایک وقت ایسا بھی گذرا ہے کہ معاشرے کی حالت سے متاثر ہو کر کچھ حساس دل نہایت مایوسی کے عالم کہا کرتے تھے کہ

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

لیکن اب تو بات "گل" تک بھی پہنچ گئی اور اس انداز سے پہنچی کہ

ہمارا حال یہ ہے تم بھی رو دیئے سُن کر
اب اس سے اور زیادہ خراب کیا ہوگا

یعنی ہمارے توکل مجسم صدر محترم نے معاشرے کے بگاڑ کو محسوس فرما کر اعلان کر دیا کہ اصلاح معاشرہ کی مہم سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ اعلان کے بعد اصلاح کی تدابیر سوچنے کے کام کا آغاز ہوا اور بعض تدابیر پر عملاً کام بھی شروع ہو گیا۔ ع

یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

اصلاح کا لفظ زبان پر آتے ہی ذہن قدرتی طور پر اس حقیقت کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ بگاڑ پیدا ہو چکا ہے جس کی اصلاح مطلوب ہے۔ پھر اس بگاڑ کا تجزیہ کر کے اس کے اسباب تلاش کئے جاتے ہیں فوری اصلاح کے ساتھ ساتھ ان اسباب کے ازالہ پر بھی پوری توجہ صرف کی جاتی ہے۔ اصلاح کے کئی طریقے اختیار کئے جا سکتے ہیں، مثلاً معاشرے میں کوئی وبائی مرض پھیل گیا۔ اب اصلاح کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ :

۱۔ فن طب کے ماہر ڈاکٹروں اور طبیبوں کو یہ کام سونپا جاتا ہے کہ مرض کا علاج کریں۔ اسباب مرض تلاش کریں ان کے ازالہ کی تدبیر سوچیں اور معاشرے کا جو حصہ ابھی مرض سے بچا ہوا ہے۔ اس کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کریں

۲۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ ملک کے ماہر انجینئروں اور وکیلوں کو یہ کام سونپ دیا جائے دیکھنے میں تو یہ بھی اصلاحی مہم نظر آئے گی۔ مگر نتیجہ کے اعتبار سے اسے ابلہ فریبی یا خود فریبی سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

۳۔ ایک اور یہ طریقہ ہے کہ مریضوں میں سے ہی ایسے افراد چن لیے جائیں۔ جو مرض سے نڈھال ہو چکے ہوں اور اصلاح کا کام ان کے سپرد کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے اصلاح سے تمسخر یا ایک عظیم دھوکا کے بغیر کچھ نہیں کہا جا سکتا

ان خطوط پر اصلاح معاشرہ کی حالیہ مہم پر غور کیا جائے تو سب سے پہلے یہ طے کرنا ہوگا۔ مسلم معاشرہ کے بگاڑ سے کیا مُراد ہے؟ جہاں تک اسلامی نقطۂ نگاہ سے اس پہلو پر غور کرنے کا تعلق ہے۔ مسلم معاشرہ کے بگاڑ سے مُراد یہ ہے کہ اسلام کا دعویٰ کرنے والے افراد جس نسبت سے قلبی لگاؤ کے اعتبار سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے دور ہوتے جا رہے ہیں اسی نسبت سے مسلمان معاشرہ بگڑ رہا ہے۔ یہ اس بگاڑ کا نظریاتی فکری یا علمی پہلو ہے پھر وہ افراد جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ جس نسبت سے عملی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی تعلیمات سے دُوری، بے رُخی یا بیزاری کے عادی ہونگے۔ اسی نسبت سے اس میں بگاڑ بڑھتا چلا جائے گا۔ جبتک بگاڑ کے اس مفہوم پر اصلاح کا کام کرنے والوں پر پورا لیقین نہیں ہوگا۔ اصلاح کا کام بے معنی ہوگا یا زیادہ سے زیادہ سطحی، کاغذی یا بیان بازی کی حد تک ہو سکے گا۔ یعنی حقیقت کے لحاظ سے بگاڑ جوں کا توں موجود ہوگا مگر اس پر ایک ایسا لفافہ چڑھا دیا جائے گا کہ ظاہر بین نگاہیں اسے اصلاح سمجھنے لگیں۔

حقیقی اصلاح کا بنیادی اصول یہ ہے کہ معاشرے میں سے ایسے افراد کی تلاش کیجائے جو:-

۱۔ ذہنی اور فکری اعتبار سے ذاتی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوں۔

۲۔ ان کی ذاتی عملی زندگی یعنی خالق سے ان کا تعلق اور مخلوق سے ان کا برتاؤ ایسا ہو کہ ان کے معاملات ان کے اخلاق ان کی سیرت پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ٹھپہ لگا ہوا ہو۔

۳۔ وہ صرف ذاتی حد تک ہی اصلاح یافتہ نہ ہوں بلکہ ان کے گھر ان کے متعلقین متوسلین ان کے زیر تربیت لوگوں کی عملی زندگی میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفاداری کا ثبوت ملتا ہو۔

۴۔ معاشرے میں ان کی حیثیت ایسی ہو کہ جب وہ کوئی اصلاح کی بات کریں تو لوگ شوق اور عقیدت سے سُنیں اور اسے قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔

۵۔ جہاں بات افہام و تفہیم کی حد سے نکل کر قانون کے دائرے میں آتی ہو وہاں ایسے با اختیار حکام کا تحفظ اور تعاون حاصل ہو جو ہر مسئلہ کو پیٹ اور جیب کے نقطۂ نظر سے نہ سوچتے ہوں بلکہ ان کی فکری اور عملی زندگی میں بھی محسن انسانیت سے وفاداری کے آثار ظاہر ہوں۔

یہ ہے اصلاح معاشرہ کا حقیقی اور مخلصانہ طریقہ۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تحصیل یا تھانے کے سامنے کوئی آدمی گذرے تو اسے بلا لیا جائے اور کہا جائے کہ اپنے گاؤں کے تین آدمیوں کے نام لکھاؤ۔ نام لکھدئے اور بتا دیا کہ تمہارے گاؤں کی یہ اصلاحی کمیٹی ہے اور رپورٹ بھیج دی کہ ہر جگہ اصلاحی کمیٹیاں بن گئی ہیں۔ یہ طریقہ محض سیاست بازی کہلائے گا۔

تیسرا طریقہ۔ یہ ہے کہ مثلاً چوری اور ڈاکے کے خاتمے کے لیے ایسے سفید پوش چُن لے جائیں جو پشتینی

اور نسلی رسہ گیر ہوں۔ یا مہذب ڈاکو ہوں۔ یا مثلاً رشوت ختم کرنے کے لیے ایسے حکام اور اہلکار منتخب کیے جائیں جن کی رگوں میں دوڑنے والا ہر قطرۂ خون پکار پکار کر کہہ رہا ہوں کہ میں ھذا من فضل ربی کی تخلیق ہوں تو ظاہر ہے کہ اس سے نہ چوری ختم ہو گی نہ رشوت بلکہ ان دونوں کی سائنٹفک اور ترقی یافتہ صورتیں وجود میں آئیں گی۔

یوں تو ملک میں رشوت کو ختم کرنے کے لیے ایک مستقل محکمہ موجود ہے۔ ذرا اس کی تحقیق کیجائے کہ ایک مہینے میں اس محکمہ پر ملت کے خزانہ کا کس قدر حصہ صرف ہو رہا ہے اور جب یہ سب کچھ ہے تو اس محکمہ کے ہوتے ہوئے رشوت کئی سو گنا کیوں بڑھ گئی ہے۔ کیا یہ محکمہ انسداد رشوت ستانی ہے۔ یا ازدیادِ رشوت ستانی ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ معاشرے میں نیچے سے اُوپر تک بنیادی طور پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے وفائی اور بیزاری کا جذبہ عملاً کام کر رہا ہے اور روز بروز برترقی پر ہے۔

اسکی مثال یوں سمجھئے کہ فرض کیجیے کہ خدانخواستہ سگنل کے ٹیلی کمیونیکیشن یا ایرفورس کے ریڈار سسٹم میں کوئی خرابی واقع ہو گئی ہے تو آرمرڈ کور کے کسی افسر کو اگر اس کی اصلاح پر متعین کر دیا جائے تو کیا نتیجہ نکلے گا اور اگر کسی ایسے آدمی کے سپرد یہ کام کر دیا جائے جو ملک کی فوج کی کامیابی سے کوئی دلچسپی نہ رکھتا ہو تو ظاہر ہے کہ ایسا کرنا ملک کی فوج کے ساتھ دھوکا کرنے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

اصلاح معاشرہ کے سلسلے میں جہاں قانون کا دائرہ کار شروع ہو وہاں مجرم کو پوری اور فوری سزا دی جائے اگر ملک میں حد سرقہ کا اسلامی قانون جاری ہو چکا ہے۔ جیسا کہ سننے میں آتا ہے تو آج تک یہ حد جاری ہونے کا کوئی موقع تو شاید ہی سامنے آیا ہو۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یا تو ملک میں چوری کی کوئی واردات ہوئی نہیں یا اگر ہوئی ہے تو جرم ثابت نہیں ہو سکا۔ یا ثابت ہو گیا مگر قانونِ اسلامی بے بس ہے۔ کیونکہ اس کے متوازی انگریز کا قانون بھی موجود ہے جو چوروں ڈاکوؤں اور مجرموں کے حق میں بڑا ہی رحم دل واقع ہوا ہے اس کا زور صرف پُرامن شہریوں اور شرفا پر ہی چلتا ہے۔

یہ تو اصلاح معاشرہ کے اس پہلو سے متعلق ہے۔ جو حکومت کے کرنے کا کام ہے۔ مگر یہ کام صرف حکومت کے کرنے کا نہیں بلکہ معاشرے ہر فرد اور ملک کے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذاتی اصلاح کی فکر بھی کرے اور اس لیے کہ کل جب میدان حشر میں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیشی ہو گی جہاں "ورلڈ مکاؤ" کا قانون نہیں چلتا اور جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شہادت طلب کیجائے گی تو آپؐ لیکن یہ نہ شہادت دے دیں کہ
یَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا۔ یعنی اے میرے پروردگار میں کیا عرض کروں میری قوم نے تیری کتاب ہدایت اور تیری تعلیمات کو یوں بھلا دیا تھا۔ جیسے ان کا اس سے کوئی واسطہ ہی نہیں

تھا اس طرح اس نیت سے ہر مسلمان فرد جب اپنی اصلاح کرنے کی فکر کرے گا تو یہ دائرہ وسیع ہوتا چلا جائے گا وہ اپنے گھر کی اپنی اولاد کی اپنے عزیزوں کی اصلاح کی فکر بھی کرے گا۔ ان افراد کے مجموعہ کا نام ہی تو معاشرہ ہے۔ اس لیے لازماً معاشرے کی اصلاح بھی ہو جائے گی

حکومت اور ملت کے تعاون سے یہ کام ہو سکے گا۔ مگر تعاون کا مفہوم لازماً پیش نظر رہے۔ اگر ذرائع ابلاغ جو براہ راست حکومت کے کنٹرول میں ہیں ان سے اگر معاشرے کے بگاڑ کی اشاعت ہوتی رہے تو اسے تعاون نہیں کہیں گے۔ مثلاً ایسی فلمیں سنسر بورڈ سے پاس ہو کر دکھائی جائیں کہ چور چوری بھی کر رہا ہے اور نماز بھی پڑھ رہا ہے۔ اور بڑے اطمینان سے کہتا ہے۔ چوری میرا پیشہ ہے نماز میرا فرض ہے اور فلمی گانے نشر ہوتے رہیں

آجا آجا چوری چوری آجا چوری چوری

یا۔ پیار کیا کوئی چوری نہیں کی۔

چھپ چھپ آہیں بھرنا کیا۔

جب پیار کیا تو ڈرنا کیا۔

یا اس سے بھی ترقی کر کے

آنگ جا سینے نال ٹھاہ کر کے

جب آوارگی فحاشی اور بے حیائی کا یوں پروپیگنڈا ہوا اور اصلاح معاشرہ کی مہم بھی جاری رہے تو اس کی حیثیت بالکل وہی ہوگی کہ آدمی پانی کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اس میں برف ڈال دے اور نیچے آگ جلاتا رہے ظاہر ہے کہ یہ صورت وقت۔ دولت اور محنت کے ضیاع کے بغیر اور کچھ نہیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خط و کتابت کرتے وقت

خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں

(ادارہ)

حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات

چراغِ مصطفویؐ

عن علیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فعلت امتی خمس عشرۃ خصلۃ حلت بھا البلاء وفیہ واتخذ القیان والمعازف (الترمذی)

"حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میری اُمت پندرہ چیزوں کی عادی ہو جائے تو اس پر مصائب نازل ہوں گے، ان میں سے ایک چیز یہ بتائی کہ جب مغنی عورتیں اور باجے گاجے رواج پکڑ جائیں"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ العالمین کا اظہار آپکی ہر بات سے ہر فعل سے بلکہ ہر ادا سے ہوتا ہے حضور اکرمؐ کے اس ارشاد میں حضورؐ کی اس صفت کا اظہار ایک تو اس طرح ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اُمت کو آنے والے ایک عظیم خطرے سے آگاہ فرمایا، پھر اس خطرے کی نشان دہی فرمائی پھر ایک خاص پہلو کی تفصیل فرما دی۔

اس بیان میں انسانی نفسیات کا پہلو نظرانداز نہیں فرمایا۔ وہ یوں کہ کسی بُرائی کے ارتکاب کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

اول: کوئی برائی اتفاقاً وقتی طور پر سرزد ہو جائے اس میں کبھی غفلت اور بے دھیانی کا دخل ہوتا ہے کبھی غیر شعوری یا غیر ارادی طور پر ہو جاتی ہے، اس کا ازالہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔

دوم: وہ بُرائی کئی بار سرزد ہو، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اس سے کسی حد تک دلچسپی ہے اس سے باز رہنے کے لیئے ذرا محنت درکار ہے اور خواہشات پر کنٹرول کرنے کی مشق کرنی پڑتی ہے۔

سوم: وہ برائی اس تکرار سے کی جائے کہ وہ عادت بن جائے جب کوئی وصف عادت یا طبیعت ثانیہ بن جائے تو آدمی کے لیئے اس سے نجات پانا مشکل ہو جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس میں برائی کا احساس ختم ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات وہ برائی خوبی نظر آنے لگتی ہے ظاہر ہے کہ انسان کسی خوبی کو چھوڑنے پر کیوں آمادہ ہو۔

حضور اکرمؐ نے اس خطرے کے متعلق اس تیسری شق کو بیان فرمایا، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ کمال تک اسی وقت پہنچتا ہے جب ابتدائی مراحل طے کرے، اس لئے گویا حضورؐ نے متنبہ فرمایا کہ ہر آن اپنا جائزہ لیتے رہنا کہیں تم اپنے عمل سے کمال کی طرف رواں دواں تو نہیں ہو وہاں پہنچنے سے

پہلے جس مرحلے پر بھی تم سنبھل گئے فائدے میں رہو گے، یعنی آدمی کو اس سے بچنا چاہیئے کہ کمال تک پہنچ کر ہی دم نہ لے بلکہ پہلے ہی اپنے بچاؤ کی تدبیر کرے۔

یہ ساز و آواز کی لت پھر عورتوں کا اس الاؤ میں اپنے آپ کو جھونک دینا انسانیت کی موت ہے اور مصائب کو دعوت دینا ہے۔

ہم اپنے مسلمان معاشرے کا جائزہ لیں تو راگ رنگ کے عادی ہونے میں کہیں کوئی کمی نظر نہیں آتی ریڈیو پر نشر ہونے والے فرمائشی پروگراموں کا تجزیہ کیا جائے تو ملت کے عادی ہو جانے میں کوئی شبہ نہیں رہتا، عادی ہونے اور عادی بنانے کا المیہ بڑا ہی دردناک ہے ماضی قریب میں ریڈیو سے ایک قاضی صاحب موسیقی اور پکے گانوں کی تعلیم دیا کرتے تھے، حالانکہ ملت میں قاضی کے لفظ میں یہ مفہوم تھا کہ وہ شخص جو یہ فیصلہ کرے کہ یہ کام محسنِ انسانیت ﷺ کی پسند کا ہے یا آپکی نافرمانی ہے اگر نافرمانی ہے تو اس کو یہ سزا ملنی چاہیئے

ایسا اندازہ کیجیے کہ یہ عادت ملت کو کہاں سے کہاں لے گئی

پھر عادی برائی کو اس کمال تک پہنچا یا گیا کہ یہ خوبی بن گئی اور عظمت کا نشان تصور ہونے لگی محسنِ انسانیت ﷺ جس برائی کو ملت کے لیئے مصائب کی دعوت قرار دے رہے ہیں ملت اس کو سرمایۂ افتخار سمجھتی ہے اور ایسی مغنیاؤں کو خطابات اور ایوارڈ ملتے ہیں بلکہ اسلامی ثقافت کی نمائندگی کے لیئے دوسرے ممالک میں انہی کو بھیجا جاتا ہے، کیا عادی ہونے میں اب بھی کوئی شبہ باقی ہے۔

پھر موسیقی کو نصاب تعلیم میں کس درجے میں شامل کر دیا گیا ہے۔ یہ آرٹ گیلریاں اور آرٹ کونسلیں دیکھیئے ان کی بہار صنفِ نازک ہی کے دم قدم سے ہے۔

اس عادت کا نتیجہ یہ ارشاد فرمایا کہ قوم پر مصائب نازل ہوں گے، مصائب کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) داخلی مصائب:

ان میں سب سے بڑی مصیبت سکون و اطمینان قلب کا فقدان، پریشانی اور بے چینی کا دور دورہ ہم تو اسے اب آزما رہے ہیں مگر جو قومیں اس کو کئی نسلوں سے آزما چکی ہیں آج اس لٹس پر کراہ رہی ہیں چنانچہ ڈاکٹر برنارڈ اے بانر وانا ماہر امراض نسوانی کہتا ہے:

"ساز، گانے کے بغیر کبھی مرد اور عورت کے قلبی سکون کو جس طرح غارت کرتا ہے اس کا عام لوگوں لوگوں کو بہت کم احساس ہوتا ہے، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ساز سے انسان کے حسی جذبات میں تلاطم برپا ہو جاتا ہے، خاص طور پر ان کے صنفی میلانات میں تو شدید طوفان اٹھنے لگتے ہیں ساز اور گانے کا اثر صنفِ نازک پر زیادہ تیز، شدید اور دیرپا ہوتا ہے (وومین لور WOMAN LOVE) میں انسان کی ساری تگ و دو کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ زندگی ہے کہ اسے زندگی میں سکون ملے، اس لئے جو چیز اس سکون کو برباد کرنے والی ہو اس سے بڑی مصیبت اور کیا ہو سکتی ہے۔

۲۔ خارجی مصائب:

معاشرے میں امن کا اٹھ جانا سب سے بڑی مصیبت ہے، امن کے لیئے دائرے مختلف ہیں سب سے

پہلا دائرہ انسان کا کنبہ اور گھر ہے پھر معاشرہ پھر ملک اور وطن ۔

جب اجتماع کی بنیادی اکائی گھر اور کنبہ سے امن اٹھ گیا تو معاشرہ اور ملک اس سے کیسے بچ سکتا ہے

دینی ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ۔

گانا عورت کے اندر عشق کے جذبات کو بڑھاتا ہے بہت سے اچھے گھرانے کی عورتیں جو کبھی بڑی عزت و احترام سے اپنے خاندان میں امن اور مسرت کی زندگی بسر کر رہی تھیں انہوں نے گویّوں کے عشق میں اپنے خاوند اور اولاد کو خیرباد کہہ دیا ہے [illegible]

گانے کے رسیا لوگ عملی زندگی میں بےکار ہو کر رہ جاتے ہیں ۔ مردانگی ، جفاکشی ، محنت کوشی کی جگہ نسوانیت سہل انگاری ، کام چوری اور عیش کوشی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے یہ اوصاف زندہ قوموں کے لئے موت کا پیغام ہوتے ہیں ۔

گانے کا شوق بذات خود ایک مصیبت ہے اور ملت کو گھن کی طرح یہ شوق یہاں تک کھائے جا رہا ہے کہ محراب و منبر سے بھی جب راگ کی آمیزش کے بغیر کوئی بات کہی جائے تو ملت سننے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی اس لئے منبر سے بھی نثر کو گا کر پیش کیا جاتا ہے ، اور معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ جنھیں شوق عبادت بھی ہے اور گنگنانے کی عادت بھی نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں بن کر

کتنے دکھ کی بات ہے کہ محسنِ انسانیت رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز کو صرف ناپسند ہی نہ فرمائیں بلکہ ملت کے لئے وبال اور وجہ مصائب قرار دیں ملت اسے خوبی سمجھ کر سینے سے لگائے رکھے

ـــ

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

صرف جسم ہی آزاد ہوئے ہیں ذہنی غلامی کی گرفت تو مضبوط تر ہو گئی ۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔

بقیہ : ملفوظات حضرت تھانوی ؒ

ایک نکتہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ قرآن کے محفوظ ہونے میں من وجہ الفاظ کو زیادہ دخل ہے جن کی قراءت کی جاتی ہے کہ خدانخواستہ اگر تمام مصاحف تلف ہو جائیں تو حافظان الفاظ از سر نو قرآن کو مدون کر سکتے ہیں اور من وجہ نقوش کو زیادہ دخل ہے کہ اختلاف فی الالفاظ کے وقت کتابت شدہ نقوش کی طرف مراجعت کر کے فیصلہ کر سکتے ہیں اس کے بعد میں مبین کی قید ہے اس میں یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ قرآن کی قراءت اور کتابت دونوں واضح اور ظاہر ہونی چاہئیں ۔

(الافاضات قرآن)

ملفوظات

حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ تھانوی

(۱) فرمایا سلسلہ اویسیہ حضرت اویس قرنیؓ کی طرف منسوب ہے صرف اس تشبیہ سے کہ اس میں بغیر لقاء و تعلق جسمانی فیض روحانی ہوتا ہے، نہ اس لحاظ سے کہ حضرت اویسؒ اس کا مبداء ہیں (احقر نے عرض کیا کہ اس فیض کا احساس بھی ہوتا ہے) فرمایا ہاں! ذوق سے قوتِ نسبت محسوس ہوتی ہے مگر کسب کو اس میں کچھ دخل نہیں۔

۲- ایک بزرگ نے دوسرے سے پوچھا آج کل کس شغل میں ہو اس نے کہا مقام توکل کی تصحیح کر رہا ہوں کہا اب تک پیٹ کے دھندے میں لگے ہو۔ پہلے تو اسباب کے ذریعے اس میں مشغول تھے اب ترک اسباب سے پیٹ کے انتظام میں ہو، عشق کا شغل کب کروگے۔

۳- فرمایا سلف کی اصلاح میں قلندر اس کو کہتے ہیں جس کے اعمال ظاہری کم ہوں اور ملامتی اس کو کہتے جو اعمال کے اخفاء کی کوشش کرے۔

۴- فرمایا ایک درویش صاحب سماع مگر طریق یعنی تصوف سے واقف الٰہ آباد میں ملے، مجھ سے مسئلہ سماع کے متعلق سوال کیا، میں نے کہا یہ بتلایئے کہ اس طریق تصوف کا ما حصل کیا ہے۔ انھوں نے کہا مجاہدہ یعنی خلافِ نفس عمل کرنا۔

میں نے کہا اب سچ سچ کہو کہ سماع کی طرف نفس راغب ہوتا ہے یا نہیں۔

انہوں نے کہا بیشک راغب ہوتا ہے۔

میں نے کہا طریق کی حقیقت ہے مجاہدہ یعنی نفس کے خلاف کرنا اور سماع کی طرف ہمارے نفوس راغب ہیں، اب تم ہی بتلاؤ کہ سماع سننا مجاہدہ ہے یا ترکِ سماع؟ پھر یہ بتلاؤ کہ مجاہد ہم ہیں یا تم ہو؟

انھوں نے کہا آج حقیقت سمجھ میں آئی۔

۵- فرمایا اہل قبور سے فائدہ ہوتا ہے کبھی مستفیض کے قصد سے کبھی بغیر اس کے قصد کے جیسے آفتاب سے بلاقصد بھی فائدہ پہنچتا ہے۔

۶۔ فرمایا عبادت میں جی لگنے کے درپے ہونا کتاب وسنت پر زیادت ہے، کیونکہ غیر اختیاری ہے، البتہ جی لگانا مامور بہ ہے پھر خواہ جی لگے یا نہ لگے۔

۷۔ فرمایا جس بادشاہ کا قانون خلافِ شریعت ہو وہ عادل ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ عدل حقیقی میں شریعت کے موافق ہونا شرط ہے، اس لیئے تارک شریعت کبھی عادل ہو ہی نہیں سکتا، جو عدل تابع شریعت کے نہیں وہ ظلم ہے البتہ ظلم دو قسم پر ہے ایک ظلم آئینی دوسرا غیر آئینی، عام لوگ تو ظلم آئینی کو عدل ہی کہتے ہیں۔

۸۔ فرمایا اگر تلوار کے زور سے لوگ اسلام لاتے تو ان کے دلوں پر تلوار کا اثر کیسے ہو جاتا، دلپر اثر ہو جانے کی دلیل یہ ہے کہ ان کے اخلاق وعادات نہایت پاکیزہ اور شریعت کی تعلیم کے بالکل مطابق ہو گئے تھے

۹۔ فرمایا جو شخص عرصہ تک ذکر وفکر میں مشغول رہ چکا ہوتا ہے، اس کے بعد اختلاط میں بھی اس کے دل پر اسرار وعلوم منکشف ہوتے رہتے ہیں، بشرطیکہ کچھ وقت خلوت کے لیئے بھی رکھے جس میں وہ یکسوئی کے ساتھ ذکر وفکر میں مشغول رہ سکے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہو گا آپؐ نے بھی اپنے لیئے ایک وقت خلوت کا مقرر کر رکھا تھا چنانچہ رات کو جب سب لوگ سو جاتے حضورؐ اٹھ کر نماز وغیرہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔

حق تعالیٰ نے قیام لیل کی یہی حکمت بتلائی ہے کہ دن میں مشاغل کثیرہ کی وجہ سے یکسوئی کا وقت نہیں مل سکتا اس لیئے رات کو اٹھنا چاہیئے

۱۰۔ فرمایا الر تلک ایات الکتاب وقرآن مبین اور طس تلک ایات القرآن وکتاب مبین دو آیتیں ہیں ایک سورۂ حجر کی اور دوسری سورۂ النمل کی یہاں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ ایک جگہ تو لفظ قرآن کو مقدم کیا لفظ کتاب سے اور ایک جگہ اس کا عکس ہے جس سے معلوم ہوا کہ من وجہ (ایک وجہ سے) الفاظ میں مقصودیت زیادہ ہے اور یہ نکتہ اس طرح حاصل ہوا کہ قرأت الفاظ کی ہوتی ہے، اور الفاظ کا مدلول قریب، معانی ہیں۔ اور کتابت نقوش کی ہوتی ہے اور اس کا مدلول قریب الفاظ ہیں اور معانی مدلول بعید ہیں، پس قراءت کی حالت میں معانی کی طرف اول ہی توجہ ہو جاتی ہے اور کتابت میں الفاظ کی طرف اور ان کے واسطہ سے معانی کی طرف توجہ ہوتی ہے اور مقصودیت سے مراد بھی مدلولیت ہے پس قراءت میں زیادہ مقصودیت معانی میں ہوئی اور کتابت میں زیادہ مقصودیت الفاظ میں ہوئی پس اس مجموعہ میں اشارہ ہو گیا کہ الفاظ بھی اس درجہ میں مقصود ہیں کہ معانی میں من کل الوجوہ مقصودیت بڑھی ہوئی نہیں بلکہ بعض وجوہ سے الفاظ میں بھی مقصودیت بڑھی ہوئی ہے۔ (باقی ہے)

نعت

تیرے قربان میرے گیسوؤں والے خواجہؒ
لاڈلے رب کے دل و جان کے اُجالے خواجہؒ

بھر دیا دامنِ امید تری رحمت نے
تشنہ کاموں نے پئے بھر کے پیالے خواجہؒ

تیرے درویش زمانے کے امیر و سلطان
تیرے درویش زمانے سے نرالے خواجہؒ

ہاں! اسی چشمِ نوازش کا طلب گار ہے دل
ہاں! اُسی خوانِ کرم سے دو نوالے خواجہؒ

بے بسی میری تماشہ نہ کہیں بن جائے
کھولئے دل پہ پڑے آہنی تالے خواجہؒ

جانِ رنجور ہے، دل وقفِ پریشانی ہے
ساجدؔ غم زدہ ہے تیرے حوالے خواجہؒ

ساجد علوی

زندگی ایک بُلبلہ

از شیخ المشائخ حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ مہاجر مکی

ہو کے تو شیفتۂ نقشۂ تصویرِ عبث
جان بے جان کو دے کر نہ ہو دلگیر عبث

خواہشِ نام و نشاں یاں کا ہے اے پیرِ عبث
مثلِ امواج کے پانی پہ ہے تحریر عبث

ہو گئے سینکڑوں گھر مثلِ بگولہ برباد
کیوں بلند اتنی یہاں کرتے ہو تعمیر عبث

مثلِ انجم کے ہیں گردش میں یہاں اہلِ فروغ
ہے فلک سے طلبِ عزّت و توقیر عبث

چین آرام ہے کس کو کہو اس کے نیچے
چرخ سے ہے ہوسِ راحت و تیسیر عبث

دیکھ غنچے کو کہ آخر ہے گلِ پژمردہ
اے جواں ہنستا ہے کیا دیکھ سوئے پیر عبث

بُلبلہ سا نہ ابھر بحرِ جہاں میں اتنا
دم میں ہوگا یہ ترا نقشۂ تعمیرِ عبث

مارتا آپ کو تا کیمیا خود بن جاتا
مارا اگر پارے کو اے صاحبِ اکسیر عبث

لُطف جینے کا اگر پاس ہو جاں بخش اپنا
ورنہ جوں خضر ہے بس عمر کی تکثیر عبث

کیمیا اپنی ہے خاکِ قدمِ یار اے دل
کس لئے کرتا ہے پھر خواہشِ اکسیر عبث

ڈھونڈھتا پھرتا پئے شمع ہے وہ کچھ تو ضرور
نہیں گردوں کی یہ دن رات کی تدویر عبث

مسکن اس بحرِ فنا میں نہ بنا اے امداد
صورتِ بلبلہ پانی میں ہے تعمیر عبث

(بشکریہ ماہنامہ قرآن الہدیٰ)

مولانا محمد اکرم مناروی

حضرت عمر فاروق رضؓ کی انفرادیت

اہل سُنت والجماعت کے عقیدۂ حقّہ کے مطابق خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین فضیلت میں ساری اُمت سے بڑھ کر ہیں اور آپس میں ان کی فضیلت علی الترتیب خلافت ہے، . . . . یعنی . . . . سیدنا ابو بکر صدیق رضؓ سب سے افضل، پھر سیدنا فاروق اعظمؓ، سیدنا عثمان غنیؓ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم ۔ لیکن جزوی فضائل کے اعتبار سے دیکھا جائے تو "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"، کا سماں نظر آتا ہے، یہاں فاروق اعظمؓ کی ان چند حیثیتوں کا تذکرہ مقصود ہے جو انھیں عالم میں ممتاز کرتی ہیں۔

ان کی سب سے پہلی خصوصیت ان کا ایمان لانا ہے، گوکہ آدمی قبل از ایمان بھی انفرادی حیثیت کے تھے اور جب مشرکین مکہ کو مضطرب پایا تو تلوار سونت کر تنہا نکل کھڑے ہوئے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قصہ ہی پاک کر دوں، سوچ کا یہ انداز بھی نرالا تھا، ورنہ دیگر اہلِ مکہ کی نہ یہ سوچ تھی اور نہ جرأت، سب اس بات سے خائف تھے کہ جس نے ایسا کیا اسے بنو ہاشم کی انتقامی کاروائی کا سامنا کرنا پڑے گا، اور اس کا انھیں یارانہ تھا، اثنائے راہ میں جب بہن اور بہنوئی کے ایمان لانے کا پتہ چلا تو ادھر پلٹے اور ان سے بھی کوئی لگی لپٹی کہے بغیر مار پیٹ اور تشدد کی راہ اپنائی جو ایک اعلانیہ فعل ہے، جب بہن کے استقلال نے متاثر کیا تو بھی یہ کہنے میں انہیں کوئی باک نہ تھا کہ مجھے وہ کتاب تو دکھاؤ جس کا رنگ اتنا گہرا ہے ـــ اور پھر جب سورۃ طٰہٰ کی آیات پر نظر پڑی دل میں اُتریں تو اس شخص کو یہ کہنے میں بھی کوئی

جھجک نہ تھی کہ تم حق پر ہو اور میں ہی غلط راہ پر چل رہا تھا۔ اور پھر فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہونے کے لیئے تیار ہو گئے ۔۔۔ کتنا کھرا اور صاف آدمی تھا۔ خطاب کا بیٹا عمر رضؓ لیکن واقعہ صرف اتنا ہی نہیں، اصل انفرادیت آپ کی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل شانہ سے دعا کی اَللّٰھُمَّ اعز الاسلام لعمر بن الخطاب اولعمر بن الہشام او کما قال ۔"یا اللہ عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام سے اسلام کو عزت عطا فرما۔"

اس لحاظ سے ساری اُمت میں ایک شخص اور صرف ایک شخص ہی ایسا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کریم سے مانگ کر لیا۔ اور لینے کی غرض بھی تو دیکھیئے! اس شخص سے اسلام کو عزت دی، اور ایں سعادت بزورِ بازو نیست ۔

حضرتِ عمر رضؓ کا اسلام لانا تو دعا کا مفہوم ہے ہی، مگر صرف اسلام لانا ہی نہیں بلکہ آپ کی ذاتِ گرامی سے اسلام کی عزت کو بڑھانا بھی مدعائے دعا ہے گویا قبولِ اسلام سے تادمِ واپسیں حضرتِ عمر رضؓ کی ساری کوشش اور اقدام عزتِ اسلام کے لیئے وقف ہو گیا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا تھی، اور آج تک اتباعِ عمرؓ ہی میں اسلام کی شوکت ہے اور قیامت تک ایسا ہی رہے گا

اسی باب میں بھی عمر رضؓ تنہا ہے کہ اسلام لائے تو صرف چالیس حضرات کی جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھی اور مسلمان نماز بھی چھپ کر ادا کیا کرتے تھے، مشرکینِ مکہ نماز کبھی اعلانیہ نہ پڑھنے دیتے تھے، مگر حضرت عمر رضؓ نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشرک تو بتوں کی پوجا بیت اللہ میں کریں اور اللہ کا رسولؐ اور اس کے خادم وہاں اللہ کی عبادت نہ کر سکیں، یہ گوارا نہیں، تشریف لایئے ہم بھی بیت اللہ میں عبادت کریں گے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شان سے چلے کہ آگے حضورؐ تھے اور پیچھے چالیس جانثار دو قطاروں میں جن میں سے ایک کے آگے حضرت عمر رضؓ تھے اور دوسری کے آگے سید الشہدا حضرتِ حمزہ رضؓ

پھر زندگی اس قدر دشوار ہو گئی کہ مسلمان ہجرت پر مجبور ہو گئے اور باذن اللہ گھر بار، مال جائیداد اللہ کے نام پر قربان کر کے مہاجر کے لقب سے سرفراز ہوئے، مگر وائے رے مجبوری؛ کہ ہجرت بھی اعلانیہ نہ کر سکتے تھے اور کفار و مشرکین سے چھپ چھپ کر نکلتے تھے گویا کہ

بسلہ نہ پسندند و بریدن نہ گزارند

مگر جب حضرتِ عمر رضؓ کو ہجرت کی اجازت عطا ہوئی تو یہاں بھی ان کا رنگ انفرادی تھا، زرہ پہنی، اسلحہ لگایا، زین کسی ترکش، تلوار باندھی، نیزہ اُٹھایا اور اس حال میں بیت اللہ کے سامنے آ کھڑے ۔

ہوئے کہ ایک ہاتھ میں لگام اور ایک ہاتھ میں ترکش سے کھینچ کر تیر پکڑ رکھا تھا، قریش کے مجمع پر نگاہ دوڑائی اور فرمایا میں ہجرت کر رہا ہوں ۔ کیا کوئی چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس کو روئے اس کی بیوی بیوہ اور بچے یتیم ہو جائیں تو آئے اور مجھے روک کر دیکھے " لیکن کسی کو مجالِ دم زدن نہ تھی۔

آگے چلیں تو یہ حضرت عمرؓ ہی تھے کہ جن کی رائے جو یوم بدر میں پیش کی گئی تھی عنداللہ مقبول ہو گئی۔ آپ نے عرض کی کہ مشرک قیدیوں میں سے جو جس کا رشتہ دار ہے وہ اس کو قتل کرے اور انھیں چھوڑا نہ جائے، میرے اقربا میرے حوالے کئے جائیں کہ میں انھیں کئے کا مزہ چکھاؤں۔ الغرض احد و خندق ہو، حدیبیہ و خیبر، حضرت عمرؓ کی انفرادیت کا رنگ ہر جگہ نمایاں ہے

پھر ہمیں حضرت عمرؓ بحیثیت امیرالمؤمنین نظر آتے ہیں۔ یہاں بھی پوری اُمت میں صرف عمرؓ ہی وہ شخص ہے جو اکیلا نامزد ہوا اور کسی کو بھی اس نامزدگی پر اعتراض نہ ہوا اور یہ بے حد غیر معمولی بات تھی۔

پھر آپ کا انتظام حکومت بحیثیت امیر بھی انفرادیت کا حامل ہے، کہ ایک بے ترتیب اور بے سروسامان لشکر سے ایران وروم کی شاندار فتوحات کے علاوہ آپ کا یہ کارنامہ بھی یکتا ہے کہ انھوں نے مذہبی احکام کی روشنی میں ایسا عادلانہ نظامِ حکومت رائج کیا جس کی نظیر ترقی یافتہ دور بھی پیش کرنے سے قاصر ہے، فوجی اصلاحات کے علاوہ ملکی معاملات کے لیئے محکمہ انصاف پولیس، خفیہ پولیس، حکام کا محاسبہ، جیل خانے، تعلیم، مالگذاری، بیت المال اور رفاہِ عامہ کے امور گویا زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہ رہا جس میں آپ نے دور رس اصلاحات نافذ نہ کی ہوں۔

اور پھر شوکتِ اسلام کا وہ مظاہرہ جس میں حضرت عمرؓ ساری خدائی میں تنہا ہے کہ ۲۲ لاکھ مربع میل علاقہ جس میں کم وبیش پنتیس ہزار قصبات اور قلعہ جات تھے زیر نگیں ہوا مگر تاریخ انسانی کا یہ بھی طرفہ باب ہے کہ وسیع ترین مفتوحہ علاقوں میں سپاہِ اسلامی نے قتل و غارت اور لوٹ مار کی بجائے مفتوحین کے ساتھ ایسا روا داری اور انسانی ہمدردی کا سلوک روا رکھا کہ لوگوں کے دل بھی فتح کر لیئے اور ظالم و جابر حکمرانوں کی ستائی ہوئی مخلوق نے پہلی بار آرام محسوس کیا، میری ناقص رائے میں بہ یک وقت اس قدر فتوحات بایں کم کشت و خون دنیا کے کسی فاتح کو نصیب نہ ہو سکیں۔ اور پھر دس سال کے قلیل عرصہ میں ان تمام تر اصلاحات کے ساتھ یہ فتوحات عقل کی رسائی سے بالاتر ہے اور اسے بجا طور پر خوارق عادت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے

ورنہ عادتاً ایسا ممکن نہیں، اگر ممکن ہوتا تو کہیں وقوع پذیر بھی ہوتا۔ اس لیئے کہ تاریخِ عالم پہ نگاہ ڈالیں تو تمام تر فاتحین کو دیکھیں گے کہ وہ جس شہر میں داخل ہوئے اینٹ سے اینٹ بجادی، خون کی ندیاں بہادیں، کھیتوں اور فصلوں کو تاخت وتاراج کردیا، حتیٰ کہ وہ لوگ جن کا مذہب تلقین کرتا تھا کہ کوئی ایک گال پہ طمانچہ مارتے تو دوسرا بھی آگے کردیتے ان کو بھی دیکھیں تو انسانی خون کی دلدل میں دھنسے ہوئے نظر آئیں گے، یہ صرف عمرؓ ہی تھا جس کی فتوحات جہاں جہاں تک پہنچیں زخمی انسانیت نے سکھ کا سانس لیا اور دکھی انسانیت کو اپنے دکھوں کا مداوا نصیب ہوا۔ آپ نے نہ صرف علاقے، ممالک اور حکومتیں فتح کیں، بلکہ دلوں، ذہنوں اور سوچوں کا فاتح عمرؓ قرار پایا اور پھر جب چل چلاؤ کا وقت آیا تو بھی عمر کی انفرادیت برقرار رہی۔ آپ دعا کیا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی شَہَادَۃً فِی سَبِیْلِکَ فِی بَلَدِ حَبِیْبِکَ (اے اللہ مجھے اپنی راہ میں اپنے حبیب کے شہر میں شہادت نصیب فرما۔

صحابہ کرام عرض کرتے، حضرت آپ عجیب دعا مانگتے ہیں، بھلا اللہ کی راہ میں مدینہ میں شہادت کیسے نصیب ہوگی، مگر چشمِ عالم نے یہ منظر بھی دیکھا کہ اللہ کریم نے اس دنیا سے اٹھنے کا بھی وہی اہتمام فرمایا جو اسے مطلوب تھا وہ گنبد خضراء کے سایہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہوا اور صرف اور صرف اکیلا عمرؓ، سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبِ غار ابوبکرؓ صدیق کے ساتھ قیام پذیر ہوا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اگر
آپ نے نئے سال کا چندہ
مبلغ ۲۵ روپے
ابھی تک ارسال نہیں فرمایا تو پہلی
فرصت میں ارسال فرمائیں
اگر
ایسا نہ ہوسکا تو اگلا شمارہ آپ کو
بذریعہ وی پی
ارسال کیا جائیگا، اور آپ کو دو روپے
زائد ادا کرنا پڑیں گے
کیونکہ
وی، پی واپس کرنا تو آپ کو کسی طرح گوارا
نہ ہوگا
(ادارہ)

مخیّر حضرات سے اپیل

جامع مسجد اقصٰی صدیق کالونی عقب ٹمبر مارکیٹ نزد گورنمنٹ انٹر کالج لاہور کی تعمیر کے سلسلے میں مخیّر حضرات سے التماس ہے کہ مسجد ہذا کی بُنیادیں کھدوا دی ہیں اب صرف آپ حضرات کی توجہ کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے

"کہ جس نے اللہ کے واسطے مسجد بنوائی خواہ وہ چھوٹی سے چھوٹی کیوں نہ ہو اللہ تعالےٰ اس کے لیئے جنت میں گھر بنائیں گے"

چھوٹی مسجد کا مقصد یہ ہے کہ جس قدر بھی توفیق ہو مسجد بنوانے میں حصّہ ڈالے۔

جزاکم اللہ احسن الجزاء

منجانب انتظامیہ کمیٹی مسجد ہذا

دارالعرفان کی فضاؤں میں

پروفیسر باغ حسین کمال

ہفت روزہ تربیتی کورس

کوئی بیس سال پیشتر چکوال سے ۳۵ میل دور چکوال خوشاب روڈ پر کوہستانِ نمک میں واقع ایک گاؤں پیل میں ایک مردِ درویش، حق آگاہ ایک مسجد میں وعظ فرما رہے تھے کہ اس علاقہ کا ایک بلند قامت اور قوی الجثہ نوجوان جوانی کے نشے میں چُور، پستول اور خنجر سے کھیلنا جس کا دستور تھا اور جس کے سامنے بڑے بڑے بدمعاش بھی اپنی سٹی گم کر دیتے تھے۔ اتفاق سے وہاں سے گزرا۔ دل میں آئی کہ آج مولوی صاحب کا وعظ ہی سُن لیا جائے مسجد میں گیا وعظ سنا اور جب مجلس برخاست ہوئی تو نوجوان نے سراپا نیاز بن کر تعارف کراتے ہوئے عرض کیا، حضرت! دورانِ وعظ آپ نے جو فلاں بات ارشاد فرمائی ہے۔ وہ میرے دل میں ترازو ہو گئی ہے۔ میرا دل کہتا ہے کہ ایسی بات کوئی عالم نہیں بلکہ ولی اللہ کہہ سکتا ہے۔ سو آج سے میں اپنی سابقہ زندگی سے توبہ اور آپ کے خادم کی حیثیت سے زندگی گزارنے کا عہد اور فیصلہ کر چکا ہوں" مردِ درویش نے ہر چند پیچھا چھڑانے کی کوشش کی مگر اللہ تعالےٰ کے فضل و کرم سے نوجوان کے دل کی دنیا بدل چکی تھی سو وہ ہٹ کا پکا نکلا اور بالآخر مرد کامل کی بے پایاں شفقت سے شاد کام ہوا، اس دانائے راز نے اسے اپنے پاس رکھا، بنایا سنوارا اور راجان جاناں ہمراز کر دیا، اس تند خو اور جنگ جو نوجوان کی کایا پلٹنا کوئی معمولی بات نہیں تھی، وہی بے علم شخص جو کل لوگوں کو بات بات پر دعوتِ مبارزت دیتا اور پستول تان لیتا تھا آج منبر پر بیٹھکر قرآن حکیم کے اسرار بیان کر کے بڑے بڑے علماء کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتا۔ یہ بزرگ بحرالعلوم اور قلزمِ فیوض حضرت مولانا اللہ یار خان صاحب اور نوجوان تب کا ملک اکرم سیتھی والا اور اب کا حضرت مولانا محمد اکرم صاحب مناروی تھے جن کی زیارت بھی مجھ ایسے لوگوں کے لیۓ باعثِ سعادت ہے جب بات کھلی کہ کس کی نگاہِ فیض نے اس مسِ خام کو کندن بنایا ہے تو چند خوش نصیب حضرات اس آفتابِ طریقت سے مستنیر ہونے کے لیۓ باریاب ہوئے۔ ان میں حضرت حافظ عبدالرزاق صاحب

اور چکوال کے چند دیگر ساتھی شامل تھے، کئی سالوں تک معمول رہا کہ یہ متلاشیانِ حق بستی سے چند میل دور جنگل کی تنہائیوں میں اکرم صاحب کی ڈھوک پر کئی کئی ہفتے ذکر و فکر میں مشغول رہتے چراغ سے چراغ جلتا رہا اور جب ذاکرین کی جماعت بڑھنا شروع ہوئی تو ساتھیوں کی تربیت کے لیئے منارہ کے سکول میں دورانِ تعطیلات گرما چالیس دنوں کے کورس کا آغاز کیا گیا ۷۶ء سے ۸۰ء تک یہ سلسلہ جاری رہا اور روزانہ سینکڑوں لوگوں کے طعام کے اخراجات و انتظام اکرم صاحب کے گھر سے ہوتا رہا۔ ذکر و فکر کی خوشبو پھیلتی گئی اور ملک کے اطراف و اکناف سے جوق در جوق آنے والوں کی تعداد میں اضافہ اور جگہ کی قلت کے پیش نظر اپنے سلسلے کے خود کفیل مرکز کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، اس مرحلہ پر اکرم صاحب کی فیاضی کا بازدگر مظاہرہ ہوا اور موصوف نے گاؤں سے ایک میل باہر سڑک کے کنارے دس کنال کا ایک پلاٹ مرکز کے لیئے وقف کرنے کی پیش کش کی، سو اسی سال اللہ کے مبارک نام سے جناب کرنل مطلوب حسین کی زیر نگرانی "دارالعرفان" کا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا، چنانچہ مرکز میں پہلا سالانہ اجتماع ۸۱ء میں منعقد ہوا جب تک حضرت جی کا کمرہ ایک بڑا کمرہ اور لائبریری کا کمرہ تیار کیئے جا سکے ساتھی رات مسجد کے چبوترے پر تاروں کی چھاؤں اور دن سڑک کے کنارے درختوں کے سایہ میں گزارتے رہے اور اس سال تائیدِ ایزدی سے ۱۰۰ × ۵۵ دو منزلہ مسجد بھی تیار ہو گئی، سلسلے کا رسالہ "المرشد" اور اشاعتی ادارہ نقشبندیہ اویسیہ بھی چکوال سے دارالعرفان ہی میں منتقل کر کے باقاعدہ لنگر جاری کر دیا گیا، مذکورہ سالانہ اجتماع کے علاوہ بھی مرکز کو آباد رکھنے اور تشنگانِ فیض کی پیاس بجھانے کے لیئے ہر ماہ ایک ہفتہ کے تربیتی کورس کا پروگرام وضع کیا گیا کہ عقائد، نماز کی اصلاح و ترجمہ، دیگر عبادات کے مسائل اور تصوف کی عملی تعلیم دی جائے، سو اس سلسلہ کا پہلا ہفت روزہ اجتماع ۲۲ اکتوبر تا ۲۸ اکتوبر حضرت پروفیسر حافظ عبدالرزاق صاحب کی نگرانی میں منعقد ہوا۔

جناب مولانا حافظ عبدالرزاق کے مختلف موضوعات پر ارشادات کا خلاصہ راقم نے قلمبند کیا ہے تاکہ دوسرے احباب بھی مستفید ہو سکیں۔

معمول یہ تھا کہ نماز تہجد سے نماز فجر تک ذکر و مراقبات کرائے جاتے، نمازِ فجر کے بعد درسِ قرآن ہوتا اور ۸ بجے سے ۱۲ بجے تک تدریس ہوتی، سب سے پہلے درسِ قرآن کے سلسلے میں حضرت حافظ صاحب کے ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

قرآنِ حکیم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے

اور اس ضابطہ پر کار بند ہونے سے پہلے اس کی حقیقت، ہماری اپنی حیثیت اور اس کے ساتھ اپنے تعلق سے آگاہی ضروری ہے، پہلی بات تو یہ ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ یہ کتاب ہدایت ہے اور اس سے باہر کہیں ہدایت نہیں اور اس میں اُدنیٰ شبہ نہیں اور جس ہستی پر نازل کی گئی اس کے مقام و منصب کی عظمت بھی ہمیشہ دل میں جاگزیں رہنا چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے دو پہلو ہیں ۔

۱۔ ذاتی حقائق

۲۔ حضور اکرمؐ سے ہمارا تعلق کیا ہے اور کیا ہونا چاہیئے؟

اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کچھ انسان (انبیاء کرامؑ) کو چن لیا گیا کہ وہ اللہ کریم سے ہدایات وصول کریں اور لوگوں تک پہنچائیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ سلسلہ نبوت ختم کر دیا گیا ۔

۲۔ جب بھی کوئی نیا رسول آیا، زمانے کے حالات کے مطابق شریعت پیش کی گئی اور مختلف ادوار میں مختلف احکام صادر ہوتے رہے اور جب انسانیت بلوغ کو پہنچی تو آپؐ پر دین مکمل اور تمام کر دیا گیا۔

۳۔ آپؐ کو جو عظیم کام سونپا گیا، اس کے چار پہلو تھے

ا۔ اللہ کی باتیں لوگوں تک پہنچائیں

ب۔ لوگوں کے دلوں سے کھوٹ نکال کر تزکیہ کریں ۔

ج۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھائیں، سکھائیں اور مطالب واضح کریں۔

د۔ دانائی اور حکمت کی باتیں سکھائیں

الغرض انسانیت کی تکمیل اور بھلائی کے لیئے مندرجہ بالا چار پہلوؤں سے باہر کوئی چیز نہیں ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے متعلق لوگوں کا خیال مختلف ہو سکتا تھا اس باب میں بھی اللہ کریم نے وضاحت فرما دی اِنَّکَ ... خُلُقٍ عَظِیم یعنی بے شک حضورؐ اخلاق عالیہ کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں۔

حضورؐ سے ہمارا تعلق :

۱۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق ایسا ہونا چاہیئے کہ فائدہ و نقصان سے بے نیاز ہو کر غیر مشروط اطاعت کی جائے ۔

۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالےٰ کی اطاعت ہے، بغیر اطاعت رسولؐ، اطاعت اللہ کا تصور بھی محال ہے ۔

۳۔ کوئی عمل عنداللہ مقبول نہیں

جس پر آنحضورؐ کی چھاپ نہ ہو

۴۔ نیکی کا معیار علم وعقل نہیں بلکہ حضورؐ کا ارشاد عالیہ ہے سو اصلی کام حضورؐ کی سنت کی تعمیل وتکمیل ہے کوئی کام بظاہر عبادت ہی کیوں نہ ہو سنت کے خلاف ہوا تو باطل ہو گیا

اب نفع ونقصان کے احساس کے بغیر اطاعت سوائے محبت ممکن نہیں، اس کی نشان دہی اللہ تعالےٰ نے یوں فرما دی "تیرے رب کی قسم! زندگی کے معاملات میں تو جو فیصلہ فرما دے ۔ ۔ ۔ ۔ "

خود حضورؐ کا ارشاد مبارک ہے "تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک سب چیزوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ ہو"

الغرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنیادی تعلق محبت کا ہے اس کے ساتھ ہی اعمال قابل قبول ہوں گے، جب تک یہ تعلق پیدا نہیں ہوتا، بات نہیں بنتی، قرآن کتاب ہدایت ہے، مگر اس سے ہدایت حاصل نہیں کی جا سکتی جب لانے اور سکھانے والے سے ہدایت حاصل نہ کی جائے، سو ہدایت یہ ہے کہ وہ کرو جو قرآن کہتا ہے اور یوں کرو جیسے حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔

اللہ اور بندے کے درمیان تعلق کا ذریعہ کتاب ہے۔ اور کتاب پر ایمان کا انحصار رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت واطاعت پر ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ حضورؐ نے اللہ کی کتاب تمام امت کو تو نہیں بتائی، ایک قوم کو اپنے سامنے بتایا اور انھیں فرمایا کہ اب تم نے باقی امت کو پہنچانا ہے، سو صحابہ کرامؓ حضورؐ اور امت کے درمیان اہم ترین کڑی ہیں، اب غور طلب بات یہ ہے کہ کیا یہ لوگ قابل اعتماد ہیں کہ واقعی اللہ تعالےٰ اور اس کے رسولؐ نے یہی بتایا تھا جو انھوں نے بیان کیا۔

دین اسلام کے چار اجزاء ہیں، عقائد[1]، عبادات[2]، معاملات[3]، اخلاق[4]

ان کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کا مقام ملاحظہ ہو:۔

۱۔ ان لوگوں کے بارہ میں اللہ کریم نے شہادت دی ہے کہ ان کا عقیدہ بعد میں آنے والوں کے لیئے معیار ہے جو لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت پر ہیں"

۲۔ اللہ تعالےٰ نے شہادت دی ہے۔ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں اللہ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں"

۳۔ وہ صادق رکھے، یہی لوگ ہیں

۴۔ وہ آپس میں رحمدل اور دشمن پر سخت ہیں

بعض لوگ جو دکھائی دیتے ہیں وہ ہوتے نہیں، یہ ایکٹنگ ہوتی ہے، مگر اللہ کریم نے صحابہ کرامؓ کے بارے میں وضاحت فرمائی "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا امتحان اللہ نے لیا ہے کہ ان میں تقویٰ موجود ہے یا نہیں ہے تقویٰ ان کے دلوں میں چپکا دیا ہے"

اللہ تعالیٰ بہت باریک بین اور اس کے امتحان میں کامیاب ہونا کارے دارد، تقویٰ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا کام کرے اور اللہ کی ناپسند کا کام چھوڑ دے

تاریخ میں یہودیوں نے گہری سازش کے تحت صحابہ کرامؓ پر الزام لگائے۔

مؤرخ نے اگر ان کی عیب جوئی کی ہے تو در خورِ اعتنا نہیں کیونکہ خود اللہ کریم نے انہیں عیوب سے بری الذمہ قرار دیا ہے سو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ناکافی ہے جب تک صحابہ کرام پر ایمان نہ ہو، صحابہ کرامؓ نبوت کے عینی شاہد ہیں اور جس مقدمہ کے عینی شاہد نہ ہوں وہ خارج ہو جاتا ہے، صحابہ کرامؓ پر ایمان لائے بغیر اللہ تعالیٰ اور نبی کریمؐ پر ایمان نہیں لایا جا سکتا، صحابہ کرام رسول اکرمؐ اور اُمت کے درمیان ضروری کڑی ہیں، اس کڑی کو غائب کرنے سے ایمان ختم۔ رب باطل فرقوں نے اس زنجیر کو توڑنے کے لئے پہلا حملہ صحابہ کرامؓ پر کیا، صحابہ کرام کشتِ اسلام کی باڑ اور جسمِ دین کی ڈھال ہیں۔

باطل فرقے سب سے پہلے اس دیوار کو گراتے ہیں ـــ سو دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تین باتوں پر ایمان لانا ضروری ہوا

۱۔ اللہ کی کتاب کا بے شک وشبہ ہونا تسلیم کیا جائے۔

۲۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان و اعتماد۔

۳۔ صحابہ کرامؓ پر مکمل بھروسہ۔

قرآن عربی زبان اور قریش کے لہجہ میں نازل ہوا، عربی بہت وسیع اور امیر زبان ہے ایک ایک لفظ کے درجنوں معنی ہوتے ہیں، اسی لیئے اللہ کریم نے ہدایت فرمائی کہ:

"اے میرے حبیب! آپ کی طرف یہ کتاب نازل فرمائی کہ الفاظ کے معانی اور مفہوم کھول کھول کر بیان کردے" سو لفظ کے لغوی معنی کی بجائے وہ معنی لیئے جائیں گے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے، تمام گمراہ فرقوں نے درمیان میں صحابہ کرامؓ کو ہٹانے سے اپنے مذموم کام کی ابتداء کی تاکہ وہ قرآنی آیات کو من مانے معنی پہنا سکیں، چنانچہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

"وہ ایمان دار جو ایمان تو لے آئے ہیں، مگر

ظلم کو شامل نہ کیا وہ ہدایت پر ہیں ۔ تو صحابہ کرام گھبرا گئے کہ زندگی میں کچھ نہ کچھ زیادتی ہو ہی جاتی ہے ۔ مگر حضورؐ نے فرمایا ، یہاں ظلم سے مراد شرک ہے وہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو۔ اسی لیئے تشریح کے لیئے حضورؐ کے محتاج ہوئے ، ہمارے ملک میں لغوی معنی پہنانے کی ابتدا ، سید احمد خان نے کی اور اب اسلم جیراجپوری اور غلام احمد پرویز بھی اسی ڈگر پر چل رہے ہیں ، سو ان لوگوں نے اعتقادات عبادات اور معاملات میں اپنی پسند کے معنی چن لیئے ، مثلاً انگریزی لفظ ڈیول کے معنی شیطان ہیں ۔ مگر لغت میں ایک معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ چھوٹا وکیل جو بڑے وکیل سے کام سیکھے اب ذرا کسی چھوٹے وکیل کو ڈیول کہہ کر تو دیکھیں ۔

الغرض اللہ کریم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈیوٹی لگائی کہ قرآن کے الفاظ بھی محفوظ ہوں اور معانی بھی وہ جو میں نے آپ پر واضح کیئے ، اس لیئے اگر کوئی لغت کی مدد سے قرآن حکیم کی تفسیر لکھنا شروع کر دے تو نبی کریمؐ سے تعلق قائم نہیں رہے گا اس لیئے بات اور مفہوم دونوں کو ماننا ضروری ہے ، سید احمد خان نے انگریز کی خوشنودی کے لیئے جنت دوزخ اور ملائکہ کا انکار کر دیا ، سورۂ بقرہ کی تفسیر لکھی اور قرآن شریف کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ، خاتم النبیین کے لغوی معنی سے مرزائیت پیدا ہوئی چنانچہ نبی کریمؐ کے راستہ سے ہٹنے میں بے حد گمراہی ہے ، من بھانے معنی پہنانا گویا انحرافِ اتباع کے مترادف ہے ۔

یہاں پر ایک صاحب نے سوال کیا کہ حروف مقطعات الٓمٓ وغیرہ کے معنی معلوم نہیں جب الفاظ کے معنی ہی واضح نہیں کیئے تو ان کی ضرورت کیا تھی ، سو اُن کی وضاحت میں گویا ہوئے ۔

اللہ کریم نے بتایا ۔ اے میرے حبیب ۔ ۔ ۔ کھول کھول کر بیان کر ۔

معلوم ہوا کہ قرآن کا کچھ حصہ وہ ہے جو لوگوں کے لیئے نازل ہوا اور کچھ حصہ صرف نبی کریمؐ کی ذات کے لیئے مختص ہے یہ کوڈ لینگویج ہے ، راز کی باتیں ہیں جو عوام الناس سے اوجھل رکھی گئیں ، راز کی باتیں سپاہی کو نہیں صرف جرنیل کو بتائی جاتی ہیں آج ہم اگر اپنی مرضی سے ان کے معنی کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نعوذ باللہ حضورؐ نے کام ادھورا چھوڑ دیا ہے جسے ہم پورا کر رہے ہیں ۔ یاد رکھیئے حضورؐ نے کوئی کام تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا ۔ سو قرآن کا وہی مفہوم معتبر ہے جو صحابہ کرام کو بتایا گیا اور ان سے ہم تک پہنچا ۔

وما علینا الا البلاغ

تدریس کے سلسلہ میں یہ پہلی شق تھی۔

کلمہ طیبہ، مفہوم اور تقاضے:

مفہوم: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ۔ اے اللہ میں صرف تیرا حکم مانوں گا۔ محمد رسول اللہ ۔ اور تیرا حکم ایسے مانوں گا جیسے محمد رسول اللہ سکھائیں گے گویا بات اللہ کی طریقہ رسول کریمؐ کا۔

تقاضا:

۱۔ بندہ اپنے اللہ سے یہ عہد کر رہا ہے کہ میں صرف تیری بات مانوں گا اور طریقہ عمل رسول کریمؐ کا ہوگا۔

۲۔ اللہ کے حکم کے مطابق عقائد، عبادات معاملات اور اخلاق ہوں گے، دین کا مجموعہ یعنی عناصر چہارگانہ ہیں، ان سب میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ کی اطاعت ضروری ہے۔

۳۔ نیت حصول رضائے الٰہی ہو اور بس، نیت میں کھوٹ سب کام خراب کر دے گا۔ پوری زندگی پوری شریعت کلمے کے تقاضے کی تکمیل کے لیئے وقف ہو۔

اثرات:

کلمہ کے اقرار سے پہلے کفر کے دائرے میں تھا۔ اب اس کے اقرار سے دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا ایک انسان ساری عمر کفر و شرک اور بدکاری کا مرتکب رہا مگر کلمہ پڑھتے ہی پاک صاف ہوا اور اسلام میں شامل ہوگیا ملکِ کفر کی قومیت ختم اور کشورِ اسلام کی شہریت حاصل ہوگئی اور نامہ اعمال کی سیاہی دُھل گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پردہ فرمائے چودہ صدیاں بیت گئیں، بے شمار علوم و فنون پیدا ہوئے ایک ایک لفظ کے لغت میں متعدد معانی موجود ہیں ہم وہی معنی لیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لیئے، یہی وہ موڑ تھا جہاں بہت سوں نے ٹھوکر کھائی کہ انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر قرآن کو سمجھنے کی کوشش کی۔

آدابِ شیخ:

اخذِ فیض کے لیئے یہ حقائق پیشِ نظر رہنا چاہیئں۔

۱۔ یہ معلوم ہو کہ شیخ اور مجھ میں کیا فرق ہے اور ہمارا آپس میں کیا تعلق ہے۔

رسول کریمؐ کے عمِ محترم حضرت عباسؓ سے کسی نے پوچھا آپ بڑے ہیں یا محمد رسول اللہؐ آپ نے جواب دیا عمر میری زیادہ ہے بڑے یہ ہیں، اس لیئے کہ بڑائی کا معیار ماہ و سال نہیں، لہٰذا شیخ کا ادب پہلا زینہ ہے۔ حضورؐ نے اس کا سلیقہ یہ سکھایا ہے کہ جو چھوٹوں پر رحم اور بڑوں کا

ادب نہ کرے اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔"
سو اس ضمن میں تین شرائط کی پابندی ضروری ہے۔
۱- ادب۔
۲- اطاعت۔
۳- عقیدت۔
(۱) ادب اس لئے ضروری ہے کہ جس کی تعظیم دل میں نہ ہو اس سے کچھ سیکھ نہ سکے گا
(۲) اطاعت یہ ہے کہ بیعت میں یہ معاہدہ کیا کہ شیخ کے بتائے ہوئے طریقے پر عمل پیرا ہو گا۔ اور
(۳) بیعت یہ ہے کہ شیخ اور مرید کے درمیان ایک معاہدہ ہے: شیخ کہتا ہے کہ میں دین سیکھنے کے لیئے میری بات ماننا پڑے گی۔ اگر کوئی بات سمجھ نہیں آتی تو جھگڑے سے کام لیتے ہوئے اپنی لیاقت کا مظاہرہ نہ کرے۔
(۴) عقیدت کی مثال یوں ہے کہ ایک مریض صرف اسی ڈاکٹر کے پاس جائیگا جس کے بارے اسے معلوم ہو کہ یہ ماہر فن ہے اور اس پر یہ اعتماد بھی ہو کہ یہ کوئی غلط یا نقصان دہ دوائی استعمال نہیں کرائے گا بلکہ وہ آپریشن کا مشورہ دے تو وہ بھی قبول کر لیا جاتا ہے، اسی طرح شیخ بھی روحانی ڈاکٹر ہے، اس سے عقیدت ہو کہ یہ ماہر فن اور میرا خیرخواہ ہے اور اس پر اعتبار بھی ضروری ہے، عقیدت کے بغیر باطنی اور روحانی امراض کا علاج نہ کرا سکتا ہے نہ ہو سکتا ہے، اور عقیدت سے بھی پہلے محبت ضروری ہے۔

یہاں ڈاکٹر اور شیخ میں فرق ہے۔ محبت دل کا کام ہے، ڈاکٹر سے بغیر محبت کے بھی علاج کرایا جا سکے گا۔ مگر باطنی بیماری کے لیئے علاج کا انحصار محبت پر ہے محبت کے بغیر کسی کی بات ماننا مشکل کام ہے۔

کوئی بھی کام کرنے کے لیئے تین محرکات ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ ہیں:
لالچ۔ ڈر۔ محبت۔ سو اطاعت اندر کا کام ہے اور محبت کے بغیر محال ہے اس لیئے شیخ کو دیکھیں کہ ماہر فن ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو پھر محبت پیدا کریں۔

ذکر:

ذکر (یاد) قلب کا کام ہے زبان کا نہیں زبان کا استعمال ایک تدبیر ہے اور بس۔ مثلاً پہلی جماعت میں لڑکے اونچی آواز سے بل کر پہاڑے یاد کرتے ہیں مگر پانچویں جماعت میں یہ عمل نہیں ہوتا کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں۔ سو جن سلاسل میں ذکر جہر کرایا جاتا ہے

اس کی وجہ نفسیاتی ہے، زبان کو ذکر کی عادت ڈالنا مقصود ہوتا ہے اور یہ صرف مبتدی کے لیے ہوتا ہے، آگے چل کر وہاں بھی ذکرِ خفی ہی کر دیا جاتا ہے۔

ذکرِ جہر کے لیے دو شرائط ہیں۔

ا۔ کسی کے کام اور آرام میں خلل انداز نہ ہو۔ اسی لیئے پرانے بزرگ نو آموزوں کو جنگلوں میں تنہائی میں ذکر کرایا کرتے تھے۔

۲۔ جہر مفرط نہیں بلکہ جہر معتدل اسی لیئے شامی میں جہر مفرط کو بدعت سے موسوم کیا گیا ہے، ذکرِ لسانی سے مانوس ہونے کے بعد ذکرِ خفی پر آتے ہیں۔ زندگی کے کسی معاملہ میں کہیں اختلاف رونما ہو جائے تو اچھائی کا فیصلہ حضور اکرم پر منحصر ہوگا حضور کا ارشاد عالیہ ہے کہ "ذکرِ خفی کو ذکرِ لسانی پر ستر گنا فضیلت حاصل ہے،،

مزید برآں ذکرِ جہر میں دو خطرے مضمر ہیں کسی کی تکلیف اور ریا، مگر ذکرِ خفی میں دونوں خطرات کا سدِ باب ہو جاتا ہے، حشر میں جب ریکارڈ دیکھا جائے گا تو ذکرِ خفی والے کے متعلق اللہ کریم فرمائیں گے کہ اس کا ایک عمل صرف میرے علم میں ہے اور وہ ذکرِ خفی ہے۔ لہٰذا اس کی فضیلت مسلمہ ہے۔

لطائف کی اہمیت اور ثبوت:

حیاتِ انسانی جسم و روح سے مرکب ہے، جسم کے اعضاء دو اقسام پر مشتمل ہیں ایک وہ کہ جن میں کچھ نقص واقع ہو جائے تو بھی کام چل سکتا ہے، جیسے آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ۔ مگر دوسرے وہ کہ کام کرنا چھوڑ دیں تو کام تمام ہو جاتے مثلاً اعضائے رئیسہ قلب، جگر، دماغ وغیرہ اسی طرح روح کے اعضائے رئیسہ کو لطائف سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ درست ہوں تو جسم کا روحانی نظام برقرار رہتا ہے اس لئے تصوف میں اصلاح لطائف پر بہت زیادہ توجہ دی جاتی ہے۔

ثبوت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمہارے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے وہ ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے اور وہ "دل" ہے، اسی لئے تمام لطائف کی نسبت لطیفۂ قلب پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے حضور نے یہ بات بطور روحانی معالج فرمائی ہے حضور نے حضرت ابو محذورہؓ کے سینے اور ماتھے پر ہاتھ پھیرا جس سے وہ یکایک بدل گئے، اپنی لطائف پر توجہ فرمائی گئی تھی جس سے ان کی کایا پلٹ گئی ہے، صدیوں کا تجربہ شاہد ہے کہ اہلِ تصوف کے لطائف منور ہونے سے ان کی زندگی میں خوشگوار تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔

اہلِ اسلام کے دو طبقے ہیں۔
اوّل مقلد دوم غیر مقلد۔

مقلد وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم قرآن و سنت سے خود واقف نہیں، کسی ماہر سے پوچھیں گے، سو ہم امام ابو حنیفہ رح کے مقلد ہیں، ہم جانتے ہیں کہ وہ عالم، عابد زاہد اور محقق ہیں۔ وہ اللہ اور رسولؐ کی بات ہی بتائیں گے اس لیئے ہم مقلد ماہرین فن کی تقلید کرتے ہیں سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے" تو اس کے پیچھے چل جو میری طرف آرہا ہے"۔ سو صوفیا اہل اللہ کا گروہ ہے ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے یہ فن سکھایا ہے اور نسلاً بعد نسلاً سینہ بہ سینہ یہ فن ودیعت ہوتا آرہا ہے سو تجربہ اور مشاہدہ کو دلیل سے رد نہیں کیا جاسکتا، لطائف کے منور ہونے کا شاہد لوگوں کی زندگی میں خوشگوار اثرات ہیں، اس سے بڑھ کر ثبوت کیا پیش کیا جاسکتا ہے کہ اللہ اللہ کرنے سے فاسق و فاجر لوگوں کی کایا پلٹ گئی۔ اس لیئے ہماری سمجھ میں بات آئے نہ آئے ہم ان بزرگوں کی بات مانیں گے، سو ہم شریعت میں امام ابو حنیفہ کے مقلد اور تصوّف میں صوفیائے کرام کے پیروکار ہیں۔ حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری سالک کو پہلا لطیفۂ قلب بتاتے اور ایک سال کی مہلت دیتے تھے، سال کے بعد جائزہ لیتے اور بسا اوقات سال بھر مزید محنت کی تلقین کرتے تھے۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگ قاضی صاحب لیلی والے اٹھارہ سال مسلسل لطیفۂ قلب کرتے رہے آٹھ میل دور اپنی ڈھوک سے ہفتہ میں ایک بار حضرت جی کے پاس جمعہ پڑھنے کے لیئے آیا کرتے تھے کئی سال گزر گئے ایک دن حضرت جی سے کہنے لگے

" استاد جی! میرے حضرت نے مجھے لطیفۂ قلب کرایا تھا وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اٹھارہ سال سے ایک ہی لطیفہ کر رہا ہوں۔ بہت ڈھونڈا کوئی آدمی نہیں ملتا جو پانچ لطائف ہی کرا دیتا، آپ کو کوئی ایسا پتہ چلے تو مجھے ضرور بتائیے گا۔ حضرت جی کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

" قاضی جی میں ہی بندہ بن جاؤں"۔ قاضی صاحب دنگ رہ گئے کہ یہ تو عالم و مناظر مشہور ہیں یہ باطنی دولت کہاں سینے میں چھپا رکھی ہے، سو قاضی صاحب وہ پہلے خوش نصیب ہیں جنھوں نے حضرت سے اخذِ فیض کیا اور اب تو اللہ کے فضل سے " چمن میں میرے راز داں اور بھی ہیں" والا سماں ہے۔

حضرت تھانوی نے اپنی کتاب " التکشف" میں تصوف کے بارہ میں قرآنی آیات و احادیث جمع کرا دی ہیں۔

اس مرحلہ پر اتفاق سے حضرت مناروی تشریف لے آئے، حافظ صاحب نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا اب اگلا موضوع ہے" توبہ" اس پر آپ کچھ ارشاد فرمائیں سو حضرت مناروی نے فی الفور تعمیلِ ارشاد میں فرمایا:۔

توبہ نام ہے اس کیفیت کا جب انسان کے دل میں اللہ کریم کی ہستی کا ایمان راسخ ہو جائے اور وہ اللہ کی عظمت سے یوں آشنا ہو جائے کہ اسے احساس ہو کہ مجھے اپنے خالق کی نافرمانی زیب نہیں دیتی، اللہ نے ہمیں پیدا فرمایا، رزق عنایت کیا قوت سے نوازا۔ ان حسّی محسوسات کے علاوہ ضرورت

اس امر کی بھی ہے کہ وہ باطنی طور پر بھی یہ محسوس کرے کہ مجھے روحانی طور پر اطمینان اور سرور حاصل ہو رہا ہے مادی ضروریات پوری ہو رہی ہوں مگر سکون میسر نہ ہو تو بھی زندگی نامکمل اور سب چیزیں بے کار لگتی ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ ممالک جو سائنس ایجادات کے طفیل مادی ترقی کی بلندیوں پر پہنچ چکے ہیں، لباس، غذا، رہائش، آسائشات اور تعیشات کی فراوانیوں کے باوصف وہ سکون کی تلاش میں جنگلوں میں ایسی بستیاں بسانے کے درپے ہیں جہاں کوئی دنیاوی سہولت حاصل نہ ہو، وہ مادر زاد ننگے رہ کر زندگی کرنے کی فکر میں ہیں کہ شاید یوں سکون کا کوئی شمہ میسر آ جائے مگر بے چارے نہیں جانتے کہ سکون صرف اللہ کے واسطے سے یقین کی قوت سے نصیب ہو سکتا ہے کھانے پینے سے سیری کی کیفیت حاصل ہوتی ہے جبکہ اللہ کے تعلق کے نتیجہ میں جو کیفیت ملتی ہے وہی اطمینانِ قلب ہے۔ اور اس کا اوزار توبہ ہے حقیقتاً اصل آرام و سکون بلکہ زندگی اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں ہے، اور اللہ سے تعلق قائم کرنے میں رکاوٹ سے بیزاری ہی توبہ ہے، توبہ کے بعد عبادتِ الٰہی کا مرحلہ آتا ہے، خدا عبادت کا محتاج نہیں وہ ہمیں اپنے گھر کچھ لینے کے لیے نہیں دینے کے لیے بلاتا ہے اور تمام تر عبادات لقائے الٰہی کے وسائل کا کام دیتے ہیں مثلاً وضو کرتے وقت سوچ یہ ہو کہ ملاقات باری تعالیٰ کے لیے تیاری کر رہا ہوں، ذرا خیال کریں کہ بنک میں چیک دیتے وقت خانہ پری ٹھیک کرنا پڑتی ہے ورنہ اپنی ہی رقم حاصل نہیں کر سکتے، سو اللہ کریم کی ملاقات جیسی کیفی چیز کے لیے بھی اہتمام اور باریکیاں مدنظر رہنا چاہئیں، لباس وقت اور شرائط کے ساتھ جب "اللہ اکبر" کہا تو کائنات سے کٹ گیا، اب وہ ہے اور رب العالمین اگر دوسری طرف متوجہ ہوا تو اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم، انسان جب بھی کوئی کام کرتا ہے تو کچھ حاصل ہوتا ہے، سو جب اللہ جل جلالہٗ سے ہم کلام ہو تو کچھ تو کیفیت وارد ہونا چاہیئے اگر یہ کیفیت حاصل ہوتی تو مزدوری مل گئی۔ اگر کوئی کیفیت حاصل نہ ہوئی تو مزدوری نہیں ملی صرف فرض سے سبکدوش ہوا۔ مگر جہاں تک حقیقتِ صلوٰۃ کا تعلق ہے نماز ادھوری رہی، اس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں مگر پرانے بوریئے کی طرح لپیٹ کر ان کے منہ پر ماری جاتی ہے جو شے یہاں کیفیت کا سبب ہے وہ اگر یہاں نصیب نہیں ہوتی تو آخرت میں اس پر کیا اجر مرتب ہوگا؟ اسی ضمن میں مراقبات بھی آ جاتے ہیں کہ نماز کے علاوہ بھی اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی کوشش کرے۔ مراقبات اس کیفیت کا نام کہ انسان دنیا و مافیہا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جائے، مراقبات میں بھی ذہن بھٹکتا ہے مگر کوشش ہونا چاہیئے کہ توجہ تاکہ حاصل ہو کر بغیر نماز کے بھی توجہ الی اللہ حاصل ہو جائے مسلسل کام کرنے سے کچھ نہ کچھ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ نماز میں دو باتیں پیشِ نظر رہنا چاہئیں کہ اس علاوہ یہ کیفیت کے موانع کو ختم کیا جائے

لقمۂ حرام سے دل پر تجلیات باری کے نزول کی توقع زیادتی ہے، اسی طرح یاوہ گو زبان کا حمدِ باری تعالےٰ کے لیئے پیش کرنا توبہ کے منافی ہے سو موانع کو تلاش کر کے انہیں دور کرنا توبہ ہے سو اس سفر کا آغاز توبہ اور انجام مراقبہ ہے۔

اور اس کے ساتھ ہی حضرت مناروی نے حضرت حافظ کو مخاطب کرتے ہوئے عرض کیا لیجیئے حضرت مجھے چھٹی دیجیئے کہ گندم کی بجائی کے لیئے سرگرم عمل ہونا ہے سو وہ رخصت ہوئے اور کھیت کی راہ لی۔

چنانچہ حضرت حافظ صاحب نے بات آگے چلاتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ کی نافرمانی سے دل میلے ہو جاتے ہیں اور کثافت آلود دلوں کو دھونے کے لیئے ارشادِ باری تعالےٰ پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ تلپٹ کے آجاؤ اللہ کی طرف اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو۔ توبہ کے لیئے احساسِ گناہ بنیاد ہے، اگر کسی کو میل کا احساس ہی نہ ہو تو دھوئے گا کیوں؟ توبہ کی کچھ شرائط ہیں۔

۱۔ پختہ ارادہ کرے کہ پھر گناہ نہیں کروں گا۔
۲۔ اللہ تعالےٰ کی رضا مقصود ہو۔
۳۔ یہ احساس ہو کہ گناہ کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔
۴۔ اللہ تعالےٰ کی گرفت سخت ہے، برداشت نہیں کر سکوں گا۔
۵۔ اللہ تعالےٰ کی سلطنت سے نکل جانا بھی محال ہے۔
۶۔ اس سے بچنے کی کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔

توبہ کا طریقہ:

۱۔ جو فرض چھوٹ گئے ہوں، ان کی قضا کرنا شروع کرے۔
۲۔ گناہ کبیرہ ـــ زنا، شراب، سود کے ارتکاب سے اللہ تعالےٰ سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے، لہذا کیئے پر پچھتائے اور آئندہ بچنے کا مصمّم ارادہ کرے۔
۳۔ حقوق العباد کے سلسلہ میں کسی زیادتی، خیانت یا فریب سے کسی کا مال کھایا ہے تو اسے واپس کرے یا اس سے بخشوائے اور اگر مالک نہ مل سکے تو اتنا مال صدقہ کر کے اس کی روح کو ثواب پہنچائے۔

توبہ نہ کرنے کا نقصان:

ہر گناہ کے نتیجہ میں شیشۂ دل پر سیاہ داغ لگ جاتا ہے اور بڑھتے بڑھتے جب احساس گناہ ہی جاتا رہے تو اس کا انجام کفر تک جا سکتا ہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ گناہ سے کوئی خلش، ضمیر پر کوئی بوجھ ہی نہ ہو، اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں کوئی لذت نہ ہو، اور نصیحت سنکر قبول کرنے پر آمادگی نہ ہو۔

جھوٹ کے اثرات:

جھوٹ کے مہلک اثرات میں سے ایک یہ ہے کہ

انسان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ٹوٹنا شروع ہو جاتا ہے اسے یہ بھول جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے اس کی ہر بات ہر فعل کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اس کے نتیجہ میں آخرت اور باز پرس کے احساس سے بے نیاز ہو کر مزید برائیوں کی دلدل میں دھنستا چلا جاتا ہے، اس سے انسان کی سیرت و کردار گھٹیا بن جاتا ہے، معاشرے میں کوئی بھی اس پر اعتبار نہیں کرتا، معاشرے کے سب کاروبار ساکھ اور اعتبار پر چلتے ہیں، مگر جب جھوٹا مشہور ہو گیا تو کوئی شخص اس کی بات نہیں مانے گا۔ سو جھوٹ تمام برائیوں کی جڑ ہے، انسان کے باطن میں برائیوں کی فصل اگانے کے لئے بہترین کھاد ہے اس سے دوسروں کو دھوکہ دینے کی عادت راسخ ہو جاتی ہے، بھلے برے اور خوب و ناخوب میں تمیز کا مادہ ختم ہو جاتا ہے، انسان برائی کو برائی سمجھنے کے احساس ہی سے عاری ہو جاتا ہے تمام شخصیت اور زندگی جانوروں کی زندگی میں بدل جاتی ہے دنیا اور آخرت دونوں متاثر ہوتے ہیں دنیوی کام میں وقتی چمک میں بھی زوال مضمر ہوتا ہے۔ آخرت کی فکر کے ڈر یا احساس ہی سے انسان برائی سے بچ سکتا ہے، حضورؐ کی تربیت نے صحابہؓ کرام میں یہ احساس اپنے اوجِ کمال پہ پہنچا دیا۔

غیبت: کسی کے پیٹھ پیچھے وہ بات کہنا جو اس کے سامنے بیان کرنے سے اسے ناگوار گزرے غیبت کہلاتا ہے، اور اگر وہ بات اس میں موجود ہی نہ ہو تو یہ بہتان ہو گا، غیبت سے دو مقاصد ہو سکتے ہیں، اوّل کسی کی ٹانگ کھینچنا، دوم خود کو پاک پیش کرنا اور دونوں تکبّر کی نشانی ہیں سب رذائل میں صوفی کے دل میں سب سے آخر میں تکبّر ہی نکلتا ہے۔ تکبّر کو ختم کرنے کے لئے مراقبہ کرے کہ مجھے یہ قوت و نعمت کس نے دی۔ وہ اگر لے لے تو کیا کروں۔

احباب سے تعلق:

ہم سب رضائے الٰہی کے سفر کے مسافر ہیں، اگر ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی سے کام لیں گے تو کمزور بھی دوسروں کے تعاون و امداد سے منزل پہ پہنچ جائیں گے اور اگر آپس میں لڑنے بھڑنے میں لگ گئے تو منزل کھوٹی ہو جائے گی۔ مختلف لوگوں کے مزاج مختلف اور صلاحیتیں جدا گانہ ہوتی ہیں، آپس میں ہمدردانہ سلوک ہو اور دل شکنی سے گریز کرنا چاہیئے تاکہ سفر خوشگوار رہے اور کوئی گڑبڑ نہ ہو۔ اکابرین کے ضمن میں فرمایا کہ یہ بڑے بھائی ہیں، ان کا اکرام کریں اور کوئی ٹھیک بات کہیں تو تسلیم کریں اور بس، اور یہ حضرات ہیں۔ حضرت مناروی، کرنل مطلوب حسین صاحب اور بنیا حسین شاہ صاحب (خود حضرت حافظ صاحب بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں) اس لئے کہ حضرت جی نے ان حضرات کو خصوصی و مشفقت سے نوازا ہے

مالِ حرام کے اثرات: زندگی کا مدار غذا پر ہے غذا کی دو صورتیں ایک ظاہری اور دوسری حقیقی ان میں سے حقیقی یہ ہے کہ غذا حرام ہے یا حلال، حرام غذا سے روح پر اثر پڑے گا پھر جسم پر منتقل ہوگا، دل میں اللہ کی طرف میلان گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور اعضا سے اعمال بد سرزد ہونے لگتے ہیں، رشوت اور ہیرا پھیری کرنے والوں میں اللہ تعالےٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ دینے کا خیال ہی پیدا نہیں ہوتا الغرض حرام غذا اللہ تعالےٰ سے دور کرتی اور حق کو قبول کرنے میں مانع بن جاتی ہے اور حرام غذا سے پلا ہوا دل تمیز حسن و خیر سے عاری ہو جاتا ہے، حضورؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس لباس میں نواں حصہ حرام ہو اس میں نماز قبول نہیں ہوتی۔

ایفائے عہد: انسانی زندگی میں وعدہ خلافی سے دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں ایک کا جھوٹ بیسیوں کا جھوٹ بن جاتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ خلاف کو منافق قرار دیتے ہوئے فرمایا۔ "جو وعدہ کی پابندی نہیں کرتا وہ لادین ہے۔"

فضائلِ اخلاق:

اخلاق کی دو اقسام ہیں، وہ خوبیاں جنھیں پیدا کرنے اور وہ برائیاں جنھیں چھوڑنے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ یہ لازم و ملزوم ہیں، انسان کی فرشتے پر فضیلت عبادت سے نہیں برائیوں سے اجتناب پر موقوف ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے "میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اعلیٰ اخلاق کی تکمیل کروں" اور اللہ کریم نے گواہی دی،

"بے شک تو خلقِ عظیم کے منصب پر فائز ہے" اس لئے اپنے آپ میں مکارم اخلاق پیدا کرنا ضروری ہے، اخلاق کے بغیر معاملات درست نہیں ہو سکتے سیرت کی تعمیر میں اخلاق کو بنیاد کی حیثیت حاصل ہے

حقوق:

حقوق و فرائض کا چولی دامن کا ساتھ ہے ایک کا حق دوسرے کا فرض بن جاتا ہے، اولاد کا حق ہے تعلیم و تربیت، یہی والدین کا فرض ہے رشتہ دار ہوں، پڑوسی یا عام مسلمان حضورؐ نے نشانی یہ بتائی ہے کہ "مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ یا زبان سے کسی کو ایذا نہ پہنچے" یہ کم از کم معیار ہے، اعلیٰ تر بات یہ ہے کہ دوسروں کو اس کے دست و زبان سے دوسروں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے، جتنے تعلقات قریبی ہوتے ہیں اتنے ہی حقوق زیادہ ہیں۔

بیعت کی اہمیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مختلف بیعتیں لی ہیں۔ اس لئے یہ حضور ﷺ کی سنت کا درجہ رکھتی ہے، بیعت: مرشد اور مرید ایک معاہدہ ہے کہ میں سکھاؤں گا تو مانے گا، بیعت کرنے والا اہل ہو، صوفیاء کے نزدیک جاہل پیر کی بیعت حرام ہے جو خود دین سے ناواقف ہے دوسروں کو کیا سکھائے گا نیز دوسروں کو سکھانے کا ڈھنگ جانتا ہو، کتنے عالم ہیں کہ فن تحریر و تقریر سے نابلد ہیں بیعت ایک نفسیاتی ضرورت ہے، روزمرّہ کا تجربہ ہے کہ لوگ اسی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں جس کی شہرت ہو کہ زیادہ تر مریض شفا پاتے ہیں اس پر اعتماد ہوتا ہے، مریض اس کی بات مانتے ہیں، یہ جاننے کے لیئے کہ کونسا ڈاکٹر قابل ہے ایک ہی معیار رہے کہ یہ دیکھا جائے کہ کونسے ڈاکٹر کے بیشتر مریض صحت یاب ہوتے ہیں، سو بیعت کرنے والے کو پرکھئے کہ اس کے متوسلین میں کہاں تک خوش گوار تبدیلی آئی اور وہ پہلے کی نسبت کہاں تک دین دار بنے جس کو روح کی جِلا صیقل مقصود ہو اس کے لیئے بیعت ضروری ہے، تصوف کی کتابوں سے صرف نظریات ملیں گے مگر عملی تجربہ صرف صوفیاء ہی سے حاصل ہو سکے گا

تصوّف

اس کا تعلق صفائی باطن سے ہے عقیدہ، عبادت اور معاملات میں اللہ اور اس کے رسول سے قربت ضروری ہے، روح کا مرکز دل ہے، اسی لیئے تصوف کے تمام سلاسل میں صفائی کا عمل ذکر الہٰی سے شروع ہو کر مراقبات پر ختم ہوتا ہے یہ تصور دل میں جاگزیں ہو جائے کہ میں بندہ ہوں اور اللہ تعالےٰ نے میرے ذمہ یہ کام لگایا ہے امتحان میں پاس وہی ہوتا ہے جو عقیدہ اور عملی دونوں آزمائشوں میں کامیاب ہو تصوف بیں وقت یہ پیش آتی ہے کہ جعلی سازی نے اسے بدنام کردیا، یہ سکہ بہت قیمتی ہے، اس لیئے ہر کوئی جعل سازی کرنے لگا کہ مفت سے زیادہ دام ہاتھ لگے یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ اس سے بدظن ہو گئے۔

تصوف میں قدم قدم پر شیطان سالک کا سدّ راہ بنتا ہے، یہ عابد مومن کا بہت بڑا دشمن ہے، انسان اس کو بھول جاتا ہے مگر یہ انسان کو نہیں بھلاتا، اسے انسان پر امتحان کے لیئے مسلّط کیا گیا ہے، سو اس سے جنگ میں وقت کا ضیاع ہے اس لیئے کیوں نہ اس کے مالک کو بلایا جائے، سو جونہی وسوسے آئیں ذکر میں مشغول ہونا جانا چاہیئے۔

شیطان کا طریق واردات یہ ہے

۱۔ اللہ کی اطاعت سے روکنے کی کوشش کرتا ہے

۲۔ دل میں خیال ڈالتا ہے کہ ابھی عمر کافی پڑی ہے آخر میں کسر پوری کریں گے۔

آدابِ تصوف و سلوک

جناب پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے، اسلامیات

ہر علم اور ہر فن کی کچھ خصوصیات ہوتی ہے اور ایک خاص مقصد متعین ہوتا ہے۔ اگر ان خصوصیات کی طرف سے بے توجہی کا رویہ اختیار کیا جائے تو وہ خاص مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

تصوف و سلوک کا مقصد تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن ہے نفس کی سب سے بڑی کثافت اور باطن کی سب سے بڑی بیماری تکبر ہے شیطان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ انسان کو کبر و نخوت کی دلدل سے نکلنے نہ دے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میدان میں اسی نے پہل کی تھی۔ جب اس نے نعرہ لگایا تھا کہ۔ انا خیر منہ (کہ میں آدم سے افضل ہوں) اور اسی وجہ سے اسے مردود ٹھیرایا گیا۔

ہمارا یہ بڑا المیہ ہے کہ لادین سیاست کا جنون اس حد تک ذہنوں پر چھایا ہوا ہے کہ ہم ہر کام کو سیاسی رنگ دینا چاہتے ہیں اور ہر چیز کو سیاست کی عینک سے دیکھنا چاہتے ہیں اور سیاست کی ابتدا اور انتہا یہ ہے کہ اپنی شخصیت اتنا بڑھا چڑھا کہ پیش کرو کہ تم عوام کی نگاہ کا مرکز بن جاؤ، سیاست زدہ آدمی کی حقیقت اگر رائی کے دانہ کے برابر ہو اور جسے وہ جانتا ہو تو وہ اپنے آپ کو پہاڑ کے برابر ظاہر کرے گا اور اپنی یہ مصنوعی حیثیت دوسروں سے منوانے کیلئے جوڑ توڑ ہیر پھیر دھن، دھونس دھاندلی ہر حربہ استعمال کرے گا۔

کیا آپ نے غور نہیں کیا کہ سیاسی پارٹیاں بنتی ہیں پھر ایک ایک پارٹی کے کئی کئی گروپ بن جاتے ہیں اور وہ گروپ بھی متحارب اور ایک دوسرے کے دشمن بن جاتے ہیں اس کی بنیادی وجہ وہی سیاسی تعفن کہ ہر ایک کو بڑا بننے کی دھن سمائی ہے۔ اپنے ملک کی سیاسی پارٹیوں کو دیکھئے اور ان مذہبی اور دینی پارٹیوں کو دیکھئے جنہوں نے لادین سیاست کی سیاسی پارٹیوں کا رنگ اختیار کیا ہے۔ ایک ایک پارٹی کے کتنے ٹکڑے ہوتے اور کتنے گروپ بن گئے۔ کیونکہ پارٹی ایک ہو گی تو بڑا ایک ہی ہو گا۔ اور بڑا بننے کیلئے ہر شخص بیتاب ہے تو پھر یہ تشتت و افتراق کیسے نہ ہو ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ دینی ادارے تو کیا نفس دین ہی

لادین سیاست کی فتنہ سامانیوں سے بچ نہ سکا۔

۱۔ تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کے لئے سب سے پہلے ادب اور سب سے ضروری احتیاط یہ ہے کہ اس عظیم کام کو لادین سیاست کا رنگ نہ دیجئے ورنہ آپ اس بڑا بننے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے اور دوسروں سے منوانے کے جنون میں اپنے اصل مقصد سے دور جا پڑیں گے۔ مولانا تھانوی ؒ نے ایک واقعہ بیان فرمایا تھا کہ کوئی شخص کسی اہل اللہ کے پاس گیا کہ مجھے اللہ اللہ کرنے کا سلیقہ سکھائیے۔ اپنے پاس بٹھا کر نسبت کا القا کرنا شروع کیا مگر دیکھا کہ اس کا قلب قبول نہیں کر رہا۔ دوسرے دن پھر یہی صورت پیش آئی۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ یہ فن سیکھنے سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کہنے لگا جی یہی کہ یہ سیکھ کر دوسروں کو بھی سکھاؤں گا فرمایا اچھا پیر اور پیشوا بننے کے لیے آئے ہو۔ توبہ کرو اس شرک سے مقصد صرف رضائے الٰہی بناؤ ورنہ چلے جاؤ۔ اس نے توبہ کی آپ نے توجہ دی دیکھا کہ اب اس کا قلب انوار ذکر الٰہی قبول کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ جس دل میں بڑا بننے کا خیال تک بھی موجود ہو۔ وہ تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کا ڈھونگ رچا کر وقت ضائع نہ کرے۔ ایسے شخص کیلئے سیاست کا میدان کھلا ہے۔ جہاں نعرہ ہی یہ ہے کہ ہمچو ما دیگرے نیست۔

۲۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصفیۂ قلب کی اہمیت واضح کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا اگر قلب سنور گیا تو سارا انتظام سنور گیا۔ اس سے ظاہر ہے کہ تصفیۂ قلب کا اثر انسان کے اعمال پر اس طرح پڑتا ہے کہ خالق اور مخلوق کے ساتھ اس کا معاملہ کھرا رہتا ہے ایک عارف نے کیا خوب فرمایا تھا کہ "جب انوار دل میں جاگزیں ہوتے تو اعضاء و جوارح اسکی گواہی دیتے ہیں"۔ یعنی انسان کے عمل سے معرفت الٰہی کا رنگ جھلکتا ہے۔ لہذا آپ حضرات صرف اسی بات پر مطمئن نہ ہو جایا کریں کہ اتنے مقامات سلوک طے کر لئے۔ روح کی پرواز فلاں دائرے تک ہونے لگی بلکہ یہ دیکھا کریں اور سختی سے اپنا محاسبہ کیا کریں کہ ان مقامات کے طے کرنے کا میری عملی زندگی پر کیا اثر پڑا۔ اس میں کوئی خوشگوار انقلاب آیا یا نہیں۔ اگر آپ کے معاملات آپکے اخلاق اور آپ کے کردار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو سمجھ لیجئے کہ یہ مقامات سلوک مستعار اور عارضی چیز ہے جسے آپکی عملی زندگی میں کوئی عمل دخل نہیں ہے۔

۳۔ اصلاح باطن سے اصلاح ظاہر ہونا لازمی چیز ہے جیسا کہ حضور اکرم ؐ کے ارشاد سے ظاہر ہے۔ مقامات سلوک کی حیثیت موجودہ ماحول کے مطابق یوں سمجھئے کہ زندگی کی

گاڑی کے لیئے یہ پٹرول ہے، پٹرول کے بغیر گاڑی چل نہیں سکتی لیکن یاد رکھیئے کہ چلنا صرف حرکت کرنے کا نام نہیں بلکہ چلنے سے مراد منزل کی طرف بڑھنا ہوتا ہے اور منزل کی طرف بڑھنے کے لیئے مقررہ راستے پر چلنا ہوتا ہے۔ اس سے صرف نظر کرکے جو حرکت ہوگی اسے چلنا نہیں کہتے، ہاں اسے آوارہ گردی کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اب غور کیجئے کہ اپنے مقامات سلوک طے کئے یعنی اپنی گاڑی میں پٹرول بھر لیا لیکن اگر ٹائروں میں ہوا نہیں تو ظاہر ہے کہ گاڑی کو سٹارٹ کرکے آپ کھڑے کھڑے پٹرول پھونکتے رہیں گے مگر اس سے آپ منزل کی طرف بڑھ نہیں سکتے اور اگر ٹائروں میں ہوا بھی ہے مگر آپ نے انجن سٹارٹ کرکے گیئر بدلنا ہی بھلا دیا تو پھر بھی آپ کا انجن سٹارٹ رہے گا مگر گاڑی نہیں چلے گی اور اس سے زیادہ بدقسمتی یہ ہوگی کہ آپ نے گیئر تو بدلا مگر ریورس گیئر لگا دیا اب آپ کی گاڑی ضرور چلے گی مگر ہر قدم پر منزل سے دور ہی ہوتی چلی جائے گی۔ اس لیئے اصلاح باطن اور تزکیۂ نفس کا عظیم کام کرنے والوں کو چاہیئے کہ ان امور کی طرف بھی توجہ دیں ایسا نہ ہو کہ انجن کی پھٹ پھٹ سنکر ہی خوش ہوتے رہیں کہ گاڑی خوب چل رہی ہے یومن کی زندگی کی گاڑی کے لیئے صحیح رُخ پر چلنا اور منزل کی طرف بڑھنا اس وقت تصور ہوگا جب وہ معاملات اور اخلاق کی کسوٹی پر پرکھا جائے گا، اگر مقامات سلوک طے کرنے والا صوفی بھی سیاسی لوگوں کی طرح دام زیر زمین بچھائے رکھے جوڑ توڑ کرتا رہے، اپنی لیڈری کے لیئے دستخطوں کی مہم چلاتا رہے لین دین میں کھرا نہ ہو، عہد کی پابندی نہ کرے، جھوٹ بولنے کو شیر مادر سمجھتا رہے، لگائی بجھائی میں وقت صرف کرتا رہے تو اُسے تزکیہ نفس کی اس محنت سے کیا حاصل ہوا جسے وہ مقامات سلوک طے کرنے کا نام دے رہا ہو۔

۴۔ بڑا بننے کے جنون کا ایک لازمی اور منطقی اثر یہ ہوتا ہے کہ آدمی دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اس کی مجبوری ہے کیونکہ جب تک وہ دوسروں کو حقیر نہ سمجھے گا اپنے آپ کو بڑا کیسے سمجھ سکتا ہے۔ اور جبتک وہ دوسروں کی تحقیر نہ کرے گا اپنی بڑائی دوسروں سے کیسے منوائے گا، لہذا اس بڑا بننے کے جنون کا دوہرا نقصان ہوا۔

۵۔ لادین سیاست میں کرنے کا اصل کام شو (SHOW) ہوتا ہے یعنی تصنع، بناوٹ

اظہار شان وشوکت، نعرے جلوس وغیرہ اور یہ
چیز تو اصلاح باطن کی عین ضد ہے
لادینی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں بنیادی
فرق ہی یہی ہے کہ لادین تہذیب میں اس
امر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ شو میں فرق
نہ آئے اور اسلامی تہذیب کی بسم اللہ یہ ہے
کہ ریا اور دکھاوے کا خیال بھی دل میں
آ گیا تو وہ شرک اصغر کے مرتکب قرار
دیا گیا۔ لہٰذا آپ کا معاملہ اللہ سے ہونا
چاہیئے کہ اس فعل سے اللہ خوش ہے
یا ناراض ہے۔ نہ یہ کہ لوگ واہ واہ کرتے
یا نہیں۔

اس ساری تفصیل سے غرض یہ ہے
کہ آپ صرف مقامات سلوک طے کرتے پر مطمئن
نہ ہو جایا کریں بلکہ اپنا محاسبہ کیا کریں کہ:
۱۔ آپ کے عقائد میں یقین کا وصف
کس حد تک پیدا ہوا ہے۔
۲۔ فرائض واجبات اور سنن کی تکمیل
میں آپ میں مستعدی کس درجے
کی پیدا ہوئی ہے۔
۳۔ معاملات میں آپ کس مقام پہ کھڑے
ہیں، باہمی میل جول، لین دین،
تعلقات و روابط میں آپ کھرے ہیں
یا نہیں، کیا آپ حضور اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کے اس فرمان پہ کہ المسلم

من سلم المسلمون

من لسانہ و یدہ دل سے یقین
رکھتے ہیں اور عمل سے اس کا ثبوت
دیتے ہیں یا نہیں۔
۴۔ اخلاق میں آپ شمار کن لوگوں میں
ہوتا ہے،
جھوٹ، رشوت، غیبت، چغلی
وعدہ خلافی وغیرہ رذائل سے آپ
بچنے کی فکر کرتے ہیں یا انہیں
وقت کی ضرورت سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ
کو دین کی سمجھ عطا فرمائے

آمین

بقیہ: دار العرفان کی روح پرور فضاؤں میں

۳۔ عبادت سے جلدی فراغت حاصل کر، ابھی
اور کام ہیں۔
۴۔ خوب عبادت کر، لوگ دیکھیں تیرے گرد جمع
ہوں۔
۵۔ عمل کی کیا ضرورت ہے جو تقدیر میں ہے،
ہو کر رہے گا،
لہٰذا "دار العرفان" کی روح پرور فضاؤں میں
ذکر و فکر اور تعلیم و تدریس نے دلوں کو خوب
گرمائے اور اجالے رکھا یہ لوگ عزم نو اور
ولولہ تازہ لے کر یہاں سے رخصت ہوئے۔

پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے اسلامیات

(قسط ۵)

اربعین

حدیثِ نبویؐ

۱۱۔ عن ابی سعید ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سئل ای العباد افضل وارفع درجۃ عند اللہ یوم القیامۃ قال الذاکرون اللہ کثیرا والذاکرات قیل یارسول اللہ ومن الغازی فی سبیل اللہ قال لوضرب بسیفہ فی الکفار والمشرکین حتی ینکسر و تختضب دما فان الذاکر اللہ افضل منہ درجۃ (احمد والترمذی)

حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں نبی اکرمؐ سے پوچھا گیا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک کون افضل ہے اور کس کا درجہ دوسروں کی نسبت بلند ہے فرمایا کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مردوں اور عورتوں کا درجہ ارفع ہے عرض کیا گیا، کیا اس سے بھی بلند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے فرمایا اگرچہ وہ غازی اپنی تلوار کے ساتھ کفار ومشرکین سے اس شدت کے ساتھ جنگ کرے کہ اس کی تلوار ٹوٹ جائے اور وہ خون میں لت پت ہوجائے پھر بھی خلوص سے اللہ کا ذکر کرنے والے کا درجہ اس سے بلند ہے

ش

جہاد فی سبیل اللہ بلاشبہ نہایت اعلیٰ عمل ہے مگر یہ صرف ایک اور وقتی عمل ہے۔ مگر ذکر الٰہی ایسا مجموعۂ اعمال ہے جس میں زبان سے اللہ کو یاد کرنا قلب سے اللہ کی طرف متوجہ رہنا اور اعضا وجوارح سے اللہ کے احکام کی تعمیل اللہ کی رضا کے لیے کرنا سب اعمال شامل ہیں۔ جو انسان کی پوری شخصیت اور زندگی کے ہر شعبہ اور انسان کے ظاہر وباطن سے تعلق رکھتے ہیں۔

لہٰذا ایسے شخص کے ارفع ہوتے میں کون سی تعجب کی بات ہے۔ ایک مجاہد کفار سے جنگ کرتا ہے شہید ہوجاتا ہے بات ختم ہوئی، مگر ایک ذاکر ساری عمر نفس وشیطان اور خدا بیزار ماحول کے ساتھ برسرپیکار رہتا ہے مرنا مشکل سہی مگر مرمر کے جینا تو اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، اس جہاد مسلسل کا درجہ کیوں نہ بلند ہو۔

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اُردو)	۲۵/۰۰
صُوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاء	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیرِ سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
[illegible] امیر معاویہؓ	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
تعارف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بارِ دگر کُن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ و استغفار	۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ)	۳/۰۰
حج کی دُعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاشِ رہ	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

"ماہنامہ المرشد"

زیر سرپرستی حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاح احوال باطنی

سالانہ چندہ پینتیس ۳۵ روپے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ ضلع جہلم

سول الخیبٹ مدنی کتب خانہ گنبت روڈ لاہور

کتبہ: سید شاہد حسن رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبدالباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔ 9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255